ABC سے تصدیق شدہ اشاعت
ماھنامہ
بصیرپور
نور الحبیب
جلد نمبر
36
صفر المظفر
۱۴۴۶ھ
اگست
2024ء
شمارہ نمبر
8
مدیرِ اعلیٰ: صاحبزادہ محمد محبّ اللہ نوری

تهنئة قلبية

إنّنا نقدّم بكل فرح و سرور التهنئة
والتبريكات القلبية، عن نفسى و نيابة
عن منسوبى دار العلوم الحنفية الفريدية

لمعالى الأستاذ الدكتور / الشيخ
أسامة السيد محمود محمد الأزهرى

لصدور قرار وزير الأوقاف
و الشؤون الإسلامية بجمهورية مصر العربية
داعين الله له بالتوفيق و السداد
فى القيام بالمهام المسندة إليه

(الشيخ المفتى) محمد محب الله النورى
عميد دار العلوم الحنفية الفريدية
بمدينة بصيربور بمنطقة أوكارا
إقليم البنجاب الباكستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم قد جاءکم من اللہ نور و کتاب مبین

ھو الحبیب الذی ترجیٰ شفاعتہ
لکل ھول من الاھوال مقتحم

ماھنامہ

نور الحبیب

بصیر پور

زیرِ ظلِ عاطفت: فقیہ اعظم حضرت ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی قدس سرہ
بانی دار العلوم حنفیہ فریدیہ و ماہنامہ نور الحبیب

Regd No. PS/CPL-25
ISSN 1993-4238

جلد: 36 | شمارہ: 8

صفر المظفر ۱۴۴۶ھ - اگست 2024ء

مجلس ادارت

نوٹ: جو مستقل قارئین ماہنامہ "نور الحبیب" بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک حاصل کرنا چاہتے ہیں، وہ سالانہ چندہ کے ساتھ مبلغ=/120 روپے مزید بھیجیں، انھیں ہر ماہ رسالہ بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک پوسٹ کر دیا جائے گا --- ان شاء المولیٰ تعالیٰ

E-Mail:
noorulhabibmonthly@gmail.com

ناشر: انجمن حزب الرحمٰن صبیر پور شریف دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور پاکستان

خصوصی چندہ سالانہ: =/4000 روپے
عمومی چندہ سالانہ: =/800 روپے
فی کاپی: =/70 روپے

ملنے کا پتہ: ماہ نامہ نور الحبیب
بصیر پور ضلع اوکاڑا، پوسٹ کوڈ 56011

www.facebook.com/monthlynoorulhabib
www.facebook.com/hanfiafaridiah
www.facebook.com/mohibnoori

ناشر محمد محب اللہ نوری نے گنج شکر پرنٹرز لاہور سے چھپوا کر دفتر نور الحبیب بصیر پور سے شائع کیا

اس شمارے میں

منظومات

المدد یا خدا، الکرم یا نبی

روشنی بجھ گئی ، چاندنی لُٹ گئی ، المدد یا خدا ، الکرم یا نبی
مانگ ارضِ دعا کی اجڑنے لگی ، المدد یا خدا ، الکرم یا نبی

ظلم کی رات ہے،غم کی برسات ہے،کیا کہوں ہر گھڑی نذرِ آفات ہے
روشنی پھر چراغوں کی مدھم ہوئی ، المدد یا خدا ، الکرم یا نبی

زندگی جیسے مجہول لمحات ہوں،جیسے سانسیں بھی صحرا کے ذرات ہوں
جیسے مایوسیوں کی گھٹا ہو کھڑی ، المدد یا خدا ، الکرم یا نبی

یہ یقیں ہے سخن پر شباب آئے گا،میرے نالوں کا آخر جواب آئے گا
رنگ لائے گی فریاد کی شاعری ، المدد یا خدا ، الکرم یا نبی

بخت کی یاوری کے بھی دن آئیں گے،ہم سے عاصی بھی احمد نگر جائیں گے
کام آئے گی اشکوں کی نوحہ گری ، المدد یا خدا ، الکرم یا نبی

امت خستہ جاں پر ہو پھر سے کرم،جس کے چہرے پہ محرومیاں ہیں رقم
جس کے دامن میں ہے چشم تر کی نمی ، المدد یا خدا، الکرم یا نبی

ہر ہوس اپنے خوابوں کی تعبیر ہے،سونے چاندی کی پیروں میں زنجیر ہے
مصلحت حرفِ حق کا مقدر ہوئی ، المدد یا خدا ، الکرم یا نبی

شہرِ شب میں اجالے تلاشیں کہاں، سانس لینے پہ قدغن لگی ہے یہاں
حلقۂ جبر میں ہے کوئی ہر گھڑی ، المدد یا خدا ، الکرم یا نبی

حیرتوں میں ہے گم سوچ کا کارواں، ہر طرف شہرِ ابہام کا ہے دھواں
ذہنِ انساں سے مٹنے لگی ہر خوشی ، المدد یا خدا ، الکرم یا نبی

دین و ایماں سے بھی، نصِ قرآں سے بھی، سرمدی ساعتوں کے شبستاں سے بھی
کچے دھاگے سے کچی ہے وابستگی ، المدد یا خدا ، الکرم یا نبی

بے یقینی کے شام و سحر، روز و شب، بے نوائی کی ہے داستاں میری سب
بھیگے موسم میں ہے ریت کا آدمی ، المدد یا خدا ، الکرم یا نبی

رات بھر اپنی آنکھوں میں ڈوبا رہا، روزِ روشن میں زخموں کو گنتا رہا
دل گرفتہ ریاضِ حزیں آج بھی ، المدد یا خدا ، الکرم یا نبی

یہ ریاضؔ اپنے اندر کی بنجر زمیں، کیا دکھائے کہ اب پھول کھلتے نہیں
اس کی شام و سحر کھیتیاں ہوں ہری ، المدد یا خدا ، الکرم یا نبی

ریاض حسین چودھری

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ مُنْشِی الْخَلْقِ مِنْ عَدَمِ
ثُمَّ الصَّلَاۃُ عَلَی الْمُخْتَارِ فِی الْقِدَمِ

[قصیدہ بردہ شریف]

تائیدِ الٰہی

علامہ محمد شریف نوری رحمۃ اللہ علیہ

بہ الفاظِ قرآنِ کریم فرزندانِ توحید کا ایمان اور وردِ زبان یہ ہے:

اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُo---[الفاتحۃ،۱:۵]

''اے پروردگار! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تیری ہی اعانت اور تائید کے طالب ومحتاج ہیں''---

مسلمان ہر اختتام اور ہر کام کے آغاز پر بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم پڑھتے ہیں۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے:

کُلُّ اَمْرٍ ذِی بَالٍ لَا یُبْدَاُ فِیْہِ بِبِسْمِ اللّٰہِ (وَ فِیْ رِوَایَۃٍ بِالْحَمْدُ لِلّٰہِ) فَھُوَ اَقْطَعُ---[۱]

''جو کام اللہ کی حمد اور اس کے نام کے بغیر شروع کیا جائے، اس میں برکت نہیں ہوتی''---

مقصد یہ ہے کہ ہر امر اہم ہو یا غیر اہم، چھوٹا ہو یا بڑا، اس کی انجام دہی کے وقت انسان اپنے کارسازِ حقیقی کا نام لینے کا عادی ہو جائے اور اس کے اعمال کی انگوٹھی کا نگینہ ذاتِ باری کا ذکر بن جائے تا کہ اس کی نصرت، اس کے کرم، اس کی تائید سے اس کے تمام معاملات سنور جائیں، اس کی مشکلیں حل ہو جائیں، اس کی نفسی کیفیت، ذہنی حالت، قلبی حیات ایسی ہو جائے کہ وہ ہر اس فعل سے رک جائے جس سے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور نافرمانی

کا خدشہ لاحق ہونے کا امکان ہو، وہ سب سے ہٹ کر، کٹ کر اس کی چوکھٹ پر جھک جائے۔

عبادت مقدم ہے اور استعانت مؤخر ہے۔ عبادت کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ کے ہر حکم پر عمل کیا جائے اور استعانت کا معنی ہے طلبِ عون وتائید۔ اللہ سے مدد کی طلب لازمی ہے، کہ جو شے انسان کے پیشِ نظر ہو، اس کے حصول کے لیے قدرت نے جو اسباب لازمی قرار دیے ہیں، ان کو فراہم کیا جائے، پوری تدبیر کی جائے۔ جو چیزیں مقصد کی راہ میں رکاوٹوں کا حکم رکھتی ہیں انہیں دور کرنے، ہٹانے کے لیے مقدور بھر سعی کی جائے اور کامیابی کے لیے خدا پر بھروسہ کیا جائے۔ اگر ہمارا مدعا روٹی تیار کرنا ہے تو لازمی ہے کہ ہم آٹا خریدیں، گوندھیں، اسے پکانے کے لیے آگ جلائیں، ضروری ہے کہ ایندھن خشک ہو، گیلا نہ ہو، دیا سلائی کی تیلیاں درست حالت میں ہوں، اسے کہتے ہیں فراہمیٔ اسباب۔ احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ آندھی، مخالف ہوا، بادوباراں سے آگ کو بچایا جائے، اس کا نام ہے رکاوٹوں یا موانعات کی روک تھام۔

ہم حوادثِ قدرتی کی روک تھام نہیں کر سکتے، طوفان، زلزلہ کو ناممکن الوقوع بنانا ہمارے بس کا روگ نہیں ہے، ہم قدم قدم پر تائیدِ الٰہی کے دست نگر ہیں، ہم ہر حالت میں قادرِ مطلق کے سامنے ہی دستِ سوال دراز کرتے ہیں، ہم اسباب میں سے کسی سبب سے رخ پھیر لینے کو کفرانِ نعمت تصور کرتے ہیں۔ ہر سبب کو پیدا کرنے والا مسبب الاسباب ہے، ہم علم چاہتے ہیں، مکتب جاتے ہیں، استاذ کے سامنے زانوئے ادب تہ کرتے ہیں، پوری توجہ سے مطالعہ کرتے ہیں۔

ان تدابیر کے بغیر تائیدِ الٰہی کا خواہاں ہونا منافیٔ تعلیم اسلام ہے۔ بلاشبہ شافی خدا ہے، بیماری سے نجات اسی کی عنایت سے میسر آ سکتی ہے، لیکن اس کا حکم ہے کہ انسان اس کے علاج کے درپے ہو، پرہیز کرے۔ تلاشِ رزق کے لیے کسبِ حلال سے کام لے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ ابْتَغُوْٓا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ---[المائدۃ،۵:۳۵]

''اس کی تائید کے لیے وسائل کے متلاشی رہو''---

اس میں شک نہیں کہ ان وسائل و تدابیر کی طرف ذہن کی رغبت بھی تائیدِ الٰہی سے نصیب ہوتی ہے۔ شافیٔ مطلق، خالق، رازق، علیم و کریم خدا نے نتائج کو اسباب سے

وابستہ کر دیا ہے، دوا بھی سبب ہے اور دعا بھی، دوا سے گریز اور دعا سے اجتناب نادانی ہے، ہمیں اپنے کاروبار کے لیے سورج کی گرمی، آفتاب کی روشنی اور چاند کی خنکی درکار ہے، ہم آنکھیں بند کرلیں تو روشنی سے فیض یاب نہیں ہو سکتے۔ یہ سچ ہے کہ سورج اسی کا ہے، اسے نور بھی اسی نے عطا کیا ہے، ہم اسی کے ہیں، ہماری آنکھیں بھی اسی کی ہیں اور اسی کا حکم ہے کہ ہم آنکھیں کھول کر چلیں، نظامِ قدرت کا نظارہ کریں، مشاہدات و تجربات کے ذریعے اپنی معلومات میں اضافہ کریں، اس کو دنیا سائنس کہتی ہے۔ مسلمان کا فرض ہے کہ وہ دانش و حکمت کا پیکر بن جائے، مگر اس کا ذوق، اس کا ایمان اتنا لطیف، ستھرا اور حقیقت شناس ہو کہ وہ جسے دیکھے، جس چیز کو اپنے تجربات کا محور بنائے، اس کے متعلق اس کی زبان پر یہ ہو:

رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا---[آل عمرٰن،۳:۱۹۱]

''اے ہمارے پروردگار! تو نے اس چیز کو بے کار پیدا نہیں کیا''---

تیری ہر شے مفید ہے، تیرا ہر کام حکمت سے ہے۔ دل و دماغ میں بارگاہِ یزدانی سے ذرّہ بھر روگردانی یا تائیدِ الٰہی سے ہلکی سی بے نیازی بھی تباہی کا موجب بن جاتی ہے۔

ایک بس کا انجن بگڑ گیا، ڈرائیور اسے دیر تک درست کرتا رہا مگر وہ کامیاب نہ ہو سکا، ایک دوسری بس کے ڈرائیور نے اسے درست کر دیا اور بس رواں دواں ہو گئی۔ معلوم ہوا کہ ایک بہت باریک سا سوراخ ہے، جس سے پٹرول آتا ہے، اس میں کچرا آ گیا تھا، غبار سما گیا تھا، مشینری بگڑ گئی، اس کا ساز و سامان بے کار ہو گیا، نہ سیٹیں کچھ کام آئیں، نہ لکڑیاں، ایک چھوٹی سی خرابی سے لاری دھری کی دھری رہ گئی، سب کچھ بگڑ گیا۔ یہی انسان کے پورے نظامِ حیات کا، پورے معاشرے کا نقشہ اور تمدن کا حال ہے۔ سرورِ عالم ﷺ فرماتے ہیں:

إِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ وَ إِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ أَلَا وَ هِيَ الْقَلْبُ---[۲]

''جسم انسانی میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے، جب وہ ٹھیک ہو جائے تو سارا جسم ٹھیک ہو جاتا ہے اور جب اس میں خرابی آ جائے تو پورے انسانی بدن میں بگاڑ آ جاتا ہے اور وہ گوشت کا ٹکڑا دل ہے''---

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى o---[الاعلٰی،۸۷:۱۴]

''وہ کامیاب وبامراد ہوا، جس نے اپنے نفس کی اصلاح کرلی''---

مومن دہلوی نے کیا خوب کہاہے:

مجھے یہ ڈر ہے دلِ زندہ تو نہ مرجائے
کہ زندگانی عبارت ہے تیرے جینے سے

آج زندگی کا سارا فساد اور سارا انتشار اسی اندرونی کثافت اور ظلمت کا نتیجہ ہے اور اسی کی طرف کوئی توجہ نہیں دی جارہی۔ پورا (بحری) جہاز، جس پر ہزاروں مسافر سوار ہوتے ہیں، ایک پرزے کے سہارے چلتا ہے، اگر وہ پرزہ اپنی جگہ سے ہٹ جائے تو جہاز بے کار ہوجاتا ہے۔ کپتان کے سامنے والی سوئی میں اگر بال برابر فرق آجائے تو جہاز کی سمت میں سیکڑوں میل کا فرق پڑجاتا ہے۔

تائید ونصرتِ الٰہی کے حصول کا سب سے بڑا ذریعہ استقامت علی الحق ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

اِنَّ الَّذِیۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا تَتَنَزَّلُ عَلَیۡہِمُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ---[فصّلت،۴۱:۳۰]

''جن لوگوں نے اعلان کیا ہمارا خالق ومالک اللہ ہے، پھر اس پر قائم رہے، ان پر رحمتِ الٰہی کا نزول ہوتا ہے''---

اس سلسلے میں سب سے زیادہ مصائب وابتلاء کا سامنا انبیاء کرام علیہم السلام کو کرنا پڑا، انہوں نے ہر قسم کی مصیبتیں جھیلیں مگر ان کے پائے استقامت کو لغزش نہ ہوئی۔ ہمارے رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مکمل تیرہ سال ایسی صورتِ حال کا سامنا کرنا پڑا، قدم قدم پر رکاوٹیں کھڑی کی گئیں، آپ کے چچا ابوطالب کے پاس کفار کا ایک وفد آیا، جس میں عتبہ، عاص بن وائل، اسود بن یغوث اور ابوجہل وغیرہ شامل تھے، انہوں نے جنابِ ابوطالب سے کہا؛ تم اپنے بھتیجے کو تبلیغ سے منع کردو، ورنہ تمام قبائل سے تمہیں جنگ کرنا ہوگی۔ ابوطالب نے ہادئ برحق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بات کی تو سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''اگر وہ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند لاکر بھی رکھ دیں اور کہیں کہ خدا کا کلمہ سنانا چھوڑ دو اور جادۂ حق سے منہ موڑ لو، تو چچا جان! ایسا کبھی نہیں ہوسکتا، جب تک دینِ الٰہی پھیل نہ جائے یا اس سلسلے میں مَیں اپنی جان دے دوں''---[۳]

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی استقامت علی الحق پر ایک نظر ڈالیں، وہ کون سا ستم ہے جو ان مقدس لوگوں نے نہ جھیلا ہو، حضرت خباب بن ارت، بلال حبشی، خبیب، عمار بن یاسر اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر ظلم کے کیسے کیسے پہاڑ گرائے گئے؟ مگر دنیا نے دیکھا کہ ان کے قدم متزلزل نہیں ہوئے۔

حصول پاکستان اور تائید الٰہی

ہم اپنے تجربات پر غور کریں؛ انگریز خلاف تھا، برہمن مخالف تھے، سکھ دشمن تھا، ہم ایک ہوگئے، ہم نے حصولِ پاکستان کے لیے جہاد کیا، ان ایام میں ایثار ہمارا شعار بن گیا، اللہ کی تائید ہمارے شامل ہوئی، ہماری مراد کا غنچہ شگفتہ ہوگیا، ہمارے چمن میں آزادی کی نسیم چلنے لگی۔ ستمبر 1965ء میں بھارت نے ہم پر حملہ کیا، اس کی فوج تعداد میں ہم سے پانچ گنا تھی، اس کا سامان ہمارے سامان سے چھ گنا زیادہ تھا، ہم مقابلے پر ڈٹ گئے، ہم سے جو کچھ ہوسکتا تھا کیا، تائید الٰہی نے ہمیں شاد کام کیا، فائز المرام کیا۔

اس سے ظاہر ہوا کہ انسان کا فرض ہے، مسلمان کا شیوہ ہے کہ تدبیر کے کسی گوشے کو نظر انداز نہ کرے، ہمت کرے، محنت کرے، جرأت سے کام لے اور کارساز خدا کو جانے، ہمارا فرض ہے کہ ہماری زبان پر اسی کا بابرکت نام ہو، ہمارا یقین یہ ہو کہ ہر خیر و برکت و عافیت اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے، اسی سے دعا ہو، اسی سے سوال ہو اور اس کی کریمی اور کارسازی پر بھروسہ ہو، تائید الٰہی پر مکمل اعتماد ہو، کامیابی اسی پر منحصر ہے۔

وَ آخِرُ دعوانا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنُ

حوالہ جات

۱...... فتح القدیر، ابن ہمام، ج۱، ص۱۹-۲۰، فی بحث التسمیة فی الوضوء تحت ''و الاصح انها مستحبة'' / غنیة المستملی (کبیری)، ص۲/ التعلیق المجلی، علامہ وصی احمد محدث سورتی، ص۳

۲...... صحیح بخاری، بَاب فَضْلِ مَنِ اسْتَبْرَأَ لِدِینِهٖ، ح۵۲

۳...... سیرة ابن هشام، ج۱، ص۶۶۲

[نشری تقریریں، ص۹ تا۱۶، مورخہ 12/اپریل 1968ء]

قائدانہ اوصاف ، اسوۂ حسنہ کی روشنی میں 7

پیروؤں کے لیے لائقِ محبت واتباع

پروفیسر خلیل احمد نوری

کسی عقیدے، نظریے اور نصب العین کو عملی شکل میں ڈھالنے میں جو عوامل کردار ادا کرتے ہیں، ان میں اہم یہ ہے کہ انسانوں کی معقول تعداد اس نظریے کو دل کی گہرائیوں سے اپنا کر اس کی کامیابی کے لیے کمر بستہ ہو جائے اور کسی مرحلے میں وقت اور مال وجان کی قربانی سے دریغ نہ کرے۔ کارکنوں کی نظریے سے وابستگی کی بنیاد اس کے سچے اور کھرے ہونے کے علاوہ، قائد سے شدید محبت اور والہانہ پن پر ہے، ایسی محبت کا لازمی نتیجہ اتباع وتعمیل حکم ہے۔ نظریہ کتنا ہی کھرا، سچا اور قابلِ عمل کیوں نہ ہو، کامیابی کا حصول صرف اسی صورت میں ممکن ہے، جب قائد کی محبت اور اس کے حکم کی اطاعت و پیروی کا جذبہ، پیروؤں کے دلوں میں اس طرح جڑ پکڑ لے کہ تنگی ہو یا آسانی، کسی صورت میں قائد کے حکم کی نافرمانی کی سوچ ان کے نزدیک نہ آنے پائے۔ بہت سے قائدین، خوش نما نعروں اور پُرکشش وعدوں کے ذریعے انسانوں کی بھیڑ اپنے گرد جمع کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں لیکن جوں ہی نظریے کا کھوکھلا پن واضح ہوتا ہے، قائد کی شخصی پرتیں کھلنے لگتی ہیں اور قول وعمل کا تضاد نمایاں ہوتا ہے، انسانوں کا ہجوم بکھرنے میں دیر نہیں لگتی۔ گویا، قائد کا لائقِ محبت واتباع ہونا ہی وہ سبب ہے

جو قائد کے نظریے اور اس کی شخصیت سے وابستگی کو دوام اور پائداری عطا کرتا ہے۔ یہاں تک کہ منزل کا حصول ممکن ہو جاتا ہے۔

مختصر عرصے میں دینِ اسلام کی کامیابی کا باطنی اور حقیقی سبب، یقیناً نصرت وتائیدِ الٰہی ہے۔ کیونکہ نبی اکرم ﷺ کی بعثت کی غرض وغایت ہی دینِ حق کو تمام باطل نظاموں پر غالب کرنا تھا جو کہ خالقِ کائنات کا ازلی فیصلہ تھا[۱] البتہ جس ظاہری سبب سے اللہ تعالیٰ نے اسلام کو طاقت عطا فرمائی، وہ ذریعہ اہلِ ایمان یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جماعت کا اپنے قائد حضور نبی اکرم ﷺ کی محبت واطاعت کے جذبے سے لبریز ہو کر نصرتِ اسلام کی خاطر جان ومال کی قربانی کے لازوال نقوش قائم کرنا ہے۔

مکی زندگی میں مسلمان سخت مصائب کا شکار تھے اور اسلام حد درجہ کمزور حالت میں تھا۔ نصرتِ اسلام کے لیے کسی شجاع، نڈر اور بے باک فرد کی ضرورت تھی۔ حضور ﷺ کی خواہش ودعا سے اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے بطلِ جلیل کے دل میں اسلام کی حقانیت عیاں فرما کر انہیں اسلام قبول کرنے کی توفیق بخشی اور وہ دین کی توانائی کا سبب بن گئے۔ اس موقع پر اہلِ ایمان کی جانب سے ملنے والی نصرت وحمایت کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَ مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ٥---[۲]

''اے نبی! آپ کو (کفار کے مقابلے میں) اللہ تعالیٰ کافی ہے اور جنہوں نے آپ کی پیروی کی، اہلِ ایمان میں سے (وہ بھی کافی ہیں)''---

مدنی زندگی کا دَور شروع ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اَوس اور خزرج کے درمیان سال ہا سال سے جاری جنگوں کو ختم فرما کر ان کے دلوں کو محبت والفت کے رشتوں میں پرو دیا۔ مہاجرین وانصار کے درمیان اجنبیت مٹا کر اخوتِ اسلامی کا مضبوط رشتہ عطا فرما دیا۔ اہلِ ایمان کے دلوں میں رسولِ اکرم ﷺ کی محبت واطاعت کے جذبات پیدا فرما دیے اور وہ نصرتِ اسلام کے لیے مال وجان، اولاد اور دنیا کی ہر شے قربان کرنے کے لیے آمادہ ہو گئے۔ قرآن کریم میں اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد ہوا:

هُوَ الَّذِیْۤ اَیَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ٥---[۳]

''وہی ذات ہے کہ جس نے اپنی نصرت اور اہلِ ایمان کے ذریعے آپ کو طاقت عطا کی''---

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے جس قدر شدید محبت کی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اتباع واطاعت میں اسلام کی مدد وحمایت کے انمٹ نقش چھوڑے، تاریخِ انسانی ایسی کوئی ایک مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس طرح کی غیر معمولی محبت اور جاں فروشی کے محرکات کیا تھے؟ جواب یہ ہے کہ قائدین سے محبت اور اتباع جن وجوہ اور خصوصیات کے باعث کی جاتی ہے، وہ بکمال وتمام حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات والا صفات میں موجود تھیں۔ مثلاً: کسی شخص سے محبت کا اہم سبب یہ ہے کہ وہ حسین وجمیل ہو اور بدنی عیوب سے پاک ہو، مکارم اخلاق کا پیکر اور باطنی محاسن وکمالات سے آراستہ ہو، انسانیت کے لیے اس کا وجود باعثِ رحمت ہو، وہ محسنِ انسانیت ہو، نفع رساں ہو اور ضرر ونقصان سے بچانے والا ہو، کسی شخص کا بلند مرتبہ اور شان وشوکت والا ہونا بھی اسبابِ محبت میں سے ہے۔ عالی نسب ہونا اور خاندانی اعتبار سے افضلیت بھی محبت کا سبب ہوسکتی ہے۔ جسمانی یا روحانی رشتہ اور تعلق بھی کسی سے محبت کا باعث ہوتا ہے۔ دنیا بھر کی اہم شخصیات کی سیرت وسوانح کا مطالعہ کرنے سے انصاف پسند انسان اس نتیجے پر پہنچے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات والا صفات وہ ہستی ہیں کہ جو مذکورہ تمام خصوصیات سے آراستہ تھی اور وجوہ واسبابِ محبت کے تمام پہلو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں بدرجہ اتم پائے جاتے ہیں۔ اس موضوع پر کتبِ سیرت میں کثیر مقدار میں شواہد موجود ہیں۔ اس مضمون کی گزشتہ اقساط میں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حسن وجمال اور مکارمِ اخلاق کے حوالے سے مختصر گفتگو کی جاچکی ہے، آئندہ سطور میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے محبت کے ایک سبب، یعنی ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے انسانیت پر احسانات'' کے حوالے سے چند حقائق درج کیے جارہے ہیں:

کسی سے محبت کیے جانے کی ایک وجہ احسان ہے؛ زیر احسان شخص کو جب کسی سے فائدہ پہنچتا ہے، اس کی تکلیف دور ہوتی ہے یا متوقع ضرر سے حفاظت ہوتی ہے تو وہ شکر گزار ہوکر محسن سے محبت کرنے لگتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو عطا واحسان کی صفت، کمال درجے کی عطا فرمائی کہ سب جہانوں کو رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شفقت ورحمت سے فیض یاب فرماکر زیر احسان کردیا۔ ارشاد فرمایا:

وَ مَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ o---[۴]

''اور ہم نے آپ کو سارے جہانوں کے لیے رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے''---

اس آیتِ کریمہ میں بیان کی گئی رحمت کی نوعیت اور اس کی گہرائی کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ کائنات کا ذرّہ ذرّہ آپ ﷺ کی رحمت سے فیض یاب ہو رہا ہے، انسانوں، جنوں، حیوانوں، جمادات، نباتات اور زمین و آسمان کی ہر مخلوق میں رحمت کی نوعیت مختلف انداز میں دکھائی دیتی ہے۔ آپ ﷺ کی ہر صفت، ہر خصلت و عادت، ہر ادا، ہر قول و فعل، ہر امر و نہی، رحمتِ عامہ کا مظہر ہے۔ منافقوں کو آپ ﷺ کی رحمت سے یہ حصہ ملا کہ انہیں قتل سے بچا لیا گیا۔ کافروں کو رحمت سے یوں فیض یاب فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ میں، ان کے لیے دل سوزی اور دل گرفتگی کے جذبات پیدا فرما دیے، انہیں گمراہی کی دلدلوں سے نکال کر ہدایت کی راہ پر ڈالنے کی انتہا درجے کی تڑپ عطا فرمائی۔ مزید یہ کہ انہیں ان عذابوں سے محفوظ رکھا جس میں پہلے زمانوں میں منکرین مبتلا ہوتے تھے۔ جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

''جو اللہ پر اور آخرت پر ایمان لایا، اس کے لیے دنیا اور آخرت میں رحمت لکھ دی جاتی ہے اور جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان نہیں لایا، اس کو دنیا میں زمین میں دھنسانے اور اس پر پتھر برسانے کے عذاب سے محفوظ رکھا جاتا ہے، جب کہ اس عذاب میں پہلی امتیں مبتلا ہوتی رہی ہیں''---[۵]

مسلمانوں پر رسول اللہ ﷺ کے احسانات یہ ہیں کہ انہیں رسول اللہ ﷺ کی رحمت سے خاص حصہ عطا فرمایا کہ انہیں صراطِ مستقیم کی ہدایت دے کر دنیا اور آخرت کی ہر بھلائی عطا فرما دی۔ یہ احسان فرمایا کہ رسولِ اکرم ﷺ کو انسانوں ہی کی جنس سے پیدا اور مبعوث فرمایا۔ اگر نبی غیر جنس سے ہوتا تو استفادہ ممکن نہ ہوتا۔ آپ ﷺ کے قلبِ اقدس میں امت کی دردمندی اور خیر خواہی پیدا کی، کہ امت کا دنیوی یا اُخروی اعتبار سے تکلیف اور مشقت میں پڑنا آپ پر شاق اور حد درجہ ناگوار گزرتا ہے۔ ان کی ہدایت اور فلاح و نجات کے شدید خواہش مند ہیں۔ دوزخ کے عذابوں سے بچنے اور جنت میں جانے کا کوئی ایسا راستہ نہیں جس کی آپ ﷺ نے نشان دہی نہ فرما دی ہو۔ ایمان میں کاملین و صادقین کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ اہتمام فرمایا کہ اپنے دو نام: رؤف و رحیم عطا فرما کر رسول اللہ ﷺ کی

رحمت وشفقت کی ان پر انتہا فرمادی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ مبارک ہے:

عَزِیْزٌ عَلَیْہِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ٥---[٦]

''(رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر) گراں ہے ہر وہ بات جو تمہیں تکلیف پہنچائے اور وہ تمہارے بھلائی کے حریص ہیں۔ اہلِ ایمان پر بڑے شفیق اور بے حد مہربان ہیں''---

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم باعثِ تخلیقِ کائنات ہیں، کیا یہ کم احسان ہے کہ ہر چیز کو وجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وجودِ اقدس سے ملا ہے۔ سب سے بڑا احسان، انسانیت کو صراطِ مستقیم کی ہدایت عطا فرمانا ہے، جہنم کے عذابوں سے بچانا اور ابدی راحت کے مقام جنت کی راہ دکھانا ہے۔ انسانیت کی اُخروی فلاح ونجات کے لیے احادیث میں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دردمندی اور شدید خواہش و کوشش کا بڑا جامع بیان ہے۔ مثلاً:

- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

''میری اور تمہاری مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے آگ جلائی، جب آگ نے اس کے اردگرد کو روشن کر دیا تو پروانے اور کیڑے مکوڑے اس آگ میں گرنے لگے اور وہ شخص ان کو اس آگ میں گرنے سے روک رہا تھا اور وہ اس پر غالب آکر اس آگ میں گر رہے تھے۔ پس میں تم کو کمر سے پکڑ پکڑ کر آگ سے ہٹاتا ہوں اور تم اس میں گرے جا رہے ہو''---[٧]

- حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے قرآنِ کریم کی یہ آیت تلاوت فرمائی، جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی امت کے گناہ گاروں کی بخشش کی آرزو کی ہے:

فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّہٗ مِنِّیْ ج وَمَنْ عَصَانِیْ فَاِنَّکَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ٥---[٨]

''پس جس نے میری پیروی کی، وہ تو میرا ہے اور جس نے میری نافرمانی کی، تو بے شک تو بڑا بخشنے والا مہربان ہے''---

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ آیت پڑھی (اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اپنے امتیوں کے متعلق بخشش کی سفارش بیان ہوئی ہے):

اِنْ تُعَذِّبْھُمْ فَاِنَّھُمْ عِبَادُکَ ج وَاِنْ تَغْفِرْ لَھُمْ فَاِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ

الْحَكِيمُ ---[۹]

''(اے اللہ!) اگر تو انہیں عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہیں، اگر تو انہیں بخش دے تو بے شک تو بہت غالب، بہت حکمت والا ہے''---

ان آیات کی تلاوت کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اپنے دستِ مبارک دعا کے لیے اٹھا دیے اور روتے ہوئے امتی امتی فرمایا؛ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل امین علیہ السلام کو حکم فرمایا:

اے جبریل! محمد (ﷺ) کے پاس جاؤ اور تمہارا رب خوب جانتا ہے، ان سے سوال کرو کہ انہیں کیا چیز رُلاتی ہے؟ پھر آپ کے پاس جبریل علیہ السلام آئے اور آپ سے پوچھا، تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو بتایا کہ آپ کیا کہہ رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے جبریل! محمد (ﷺ) کے پاس جاؤ اور ان سے کہو:

إِنَّا سَنُرْضِيكَ فِي أُمَّتِكَ، وَلَا نَسُوءُكَ---[۱۰]

''ہم آپ کو آپ کی امت کے بارے میں راضی کر دیں گے اور آپ کو (اس معاملے میں) رنجیدہ نہیں ہونے دیں گے''---

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''ہر نبی کی ایک (خاص مقبول) دعا ہوتی ہے، ہر نبی نے وہ دعا دنیا میں کر لی، جب کہ میں نے یہ دعا آخرت میں اپنی امت کی شفاعت کے لیے چھپا رکھی ہے۔ یہ ان شاء اللہ، میری امت کے ہر اس فرد کو حاصل ہوگی جس نے شرک نہ کیا ہو''---[۱۱]

امت پر رسول اللہ ﷺ کے احسانات کا ایک پہلو یہ ہے کہ دینی تعلیمات میں آسانی کا رنگ غالب ہے، پہلی امتوں کی طرح سخت احکام نہیں دیے گئے۔ اسلامی تعلیمات، فطرتِ انسانی سے ہم آہنگ ہیں۔ یوں، احکام پر عمل کرنے میں انسان کو دشواریوں کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ مثلاً: روزہ ایک مشقت آمیز عبادت ہے اور مرض یا سفر کی حالت میں یہ عبادت تکلیف دہ ہو سکتی ہے، لہٰذا مریض اور مسافر کے لیے روزے کی فرضیت میں تخفیف اور آسانی ملحوظ رکھتے ہوئے اسے قیام اور صحت کے ایام تک مؤخر کرنے کی اجازت دی گئی۔ فرمایا:

فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ---[۱۲]

''تو وہ دوسرے دنوں سے (مطلوبہ) عدد پورا کرے''---

اس رعایت کا سبب بیان کرتے ہوئے فرمایا:

یُرِیْدُ اللّٰهُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَ لَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ ---[۱۳]

''اللہ تمہارے ساتھ آسانی کا ارادہ فرماتا ہے اور تمہیں مشکل میں ڈالنے کا ارادہ نہیں فرماتا''---

اسی طرح نماز کے لیے طہارت و پاکیزگی شرط ہے۔ حدثِ اکبر میں غسل اور حدثِ اصغر میں وضو لازمی قرار دیا گیا ہے۔ پانی کی عدم دستیابی یا اس کے استعمال پر عدم قدرت کی صورتوں میں غسل اور وضو کی جگہ تیمّم کو ان کے قائم مقام قرار دیا گیا ہے۔ وضو اور غسل کے احکام کے ضمن میں اس کا سبب بیان کرتے ہوئے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا:

مَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیَجْعَلَ عَلَیْکُمْ مِّنْ حَرَجٍ ---[۱۴]

''اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا کہ تم پر کوئی تنگی ہو''---

ایک اور مقام پر صاف صاف لفظوں میں فرمایا:

مَا جَعَلَ عَلَیْکُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ ---[۱۵]

''(اللہ تعالیٰ) نے تم پر دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی''---

انسانی کمزوریوں کا اس کے خالق سے زیادہ کس کو علم ہے؟ سو! اللہ تعالیٰ، انسان پر آسانی فرمانا چاہتا ہے۔ ارشاد ہوا:

یُرِیْدُ اللّٰهُ اَنْ یُّخَفِّفَ عَنْکُمْ وَ خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا ---[۱۶]

''اللہ تم پر سے بوجھ ہلکا کرنا چاہتا ہے اور انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے''---

نبی اکرم ﷺ نے دوٹوک لفظوں میں اس حقیقت کو بیان فرمایا ہے کہ دینی تعلیمات میں سرتاپا آسانی ہے۔ ارشاد فرمایا:

إِنَّ الدِّیْنَ یُسْرٌ ---[۱۷]

''بے شک دین آسان ہے''---

حضور ﷺ نے اپنی رسالت کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا کہ میں عقیدے میں حنیفیت اور فرائض و احکام میں نرمی، درگزر، سہولت اور آسانی والا دین لے کر آیا ہوں:

إِنِّیْ أُرْسِلْتُ بِحَنِیْفِیَّةٍ سَمْحَةٍ ---[۱۸]

''بے شک مجھے دینِ حنیف دے کر بھیجا گیا ہے، جس میں سہولت اور آسانی ہے''---

حضور نبی اکرم ﷺ کا اپنا مزاج مبارک آسانی کا تھا، سختی اور تنگی کرنا کبھی پسندیدہ نہ رہا۔ اس لیے فرمایا:

إِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَبْعَثْنِي مُعَنِّتًا، وَّلَا مُتَعَنِّتًا، وَّلٰكِنْ بَعَثَنِي مُعَلِّمًا مُيَسِّرًا---[۱۹]

''یقیناً اللہ تعالیٰ نے مجھے لوگوں پر سختی کرنے والا، عیب جو بنا کر نہیں بھیجا، بلکہ مجھے آسانی کرنے والا معلم بنا کر بھیجا ہے''---

رسول اللہ ﷺ کی جبلی اور فطری ساخت میں ہی آسانی کا پہلو غالب تھا۔ حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

وَلَا خُيِّرَ بَيْنَ أَمْرَيْنِ إِلَّا اخْتَارَ أَيْسَرَهُمَا مَا لَمْ يَكُنْ مَأْثَمًا---[۲۰]

''آپ ﷺ کو دو کاموں میں سے ایک کو منتخب کرنے کا اختیار دیا جاتا تو آپ ان میں سے آسان تر کو اختیار فرماتے، بشرطیکہ وہ گناہ کا کام نہ ہوتا''---

رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بھی آسانی مہیا کرنے اور تنگی سے اجتناب کی تعلیم و تلقین فرماتے ہوئے فرمایا:

إِنَّمَا بُعِثْتُمْ مُيَسِّرِينَ وَلَمْ تُبْعَثُوا مُعَسِّرِينَ---[۲۱]

''بے شک تم آسانی کرنے والے بنا کر بھیجے گئے ہو، تنگی کرنے والے بنا کر نہیں بھیجے گئے''---

حضرت معاذ بن جبل اور حضرت موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما کو یمن میں گورنر بنا کر بھیجا۔ انہیں روانہ فرماتے ہوئے تلقین فرمائی:

يَسِّرُوْا، وَلَا تُعَسِّرُوْا، وَبَشِّرُوْا، وَلَا تُنَفِّرُوْا---[۲۲]

''(لوگوں کے ساتھ) آسانی کرنا، تنگی نہ کرنا، بشارت دینا اور نفرت نہ دلانا''---

پہلی امتوں پر بعض مشکل احکام بطورِ سزا لازم کر دیے گئے تھے۔ مثلاً: کپڑا ناپاک ہو جائے تو اسے دھونا کافی نہ تھا، بلکہ ناپاک حصے کو کاٹنا واجب تھا۔ ان کے لیے مالِ غنیمت حلال نہ تھا، ہفتے کے دن شکار حرام تھا، جس عضو سے گناہ سرزد ہو جاتا، اسے کاٹنا واجب تھا۔ قتل خواہ عمداً ہو یا خطا سے، قصاص میں قاتل کو قتل کرنا ضروری تھا، دیت مشروع نہیں تھی۔ مسجد کے علاوہ کسی دوسری جگہ نماز پڑھنے کی اجازت نہیں تھی۔ ان مشکل احکام کو اسلام نے منسوخ کر دیا،

نبی اکرم ﷺ نے ان تمام مشکل احکام کے بوجھ اتار کر آسان احکام عطا فرما دیے۔
درج ذیل آیتِ کریمہ میں حضور ﷺ کی یہی صفت، اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے:

وَ یَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَ الْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ ط---[۲۳]

''اور یہ (رسول نبیٔ امی) لوگوں سے ان کے بوجھ اتارے گا اور ان کے گلوں میں پڑے ہوئے طوق اتارے گا''---

احادیثِ مبارکہ میں، امت پر رسول اللہ ﷺ کے متعدد احسانات بیان ہوئے ہیں، ان میں سے چند یہ ہیں:

- حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اگر مجھے اپنی امت پر دشواری کا خیال نہ ہوتا تو انہیں ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا اور عشاء کی نماز کو تہائی رات تک مؤخر کر دیتا۔[۲۴]

- حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک رات مسجد میں نماز پڑھی، لوگوں نے بھی آپ کی اقتدا میں نماز پڑھی۔ پھر دوسری رات میں بھی آپ نے نماز پڑھی تو بہت زیادہ لوگوں نے آپ کی اقتدا میں نماز پڑھی۔ پھر تیسری یا چوتھی رات کو بھی لوگ جمع ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ تشریف نہ لائے۔ پھر صبح کو آپ نے فرمایا:

''مجھے معلوم ہے کہ تم نے جو کچھ کیا تھا، لیکن میں صرف اس وجہ سے نہیں آیا کہ مجھے خوف تھا کہ تم پر یہ نماز فرض کر دی جائے گی، پھر تم اس کو پڑھ نہیں سکو گے''---[۲۵]

- حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ تَجَاوَزَ لِیْ عَنْ اُمَّتِی الْخَطَأَ، وَ النِّسْیَانَ، وَ مَا اسْتُكْرِهُوْا عَلَیْهِ---[۲۶]

''بے شک اللہ تعالیٰ نے میری خاطر میری امت سے بھول چوک اور ہر اس عمل سے جو مجبور کر کے (جبر و اکراہ سے) کروایا گیا ہو، درگزر فرمایا ہے (یعنی اس پر آخرت میں مؤاخذہ نہیں ہوگا)''---

- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ اللّٰهَ تَجَاوَزَ لِأُمَّتِي مَا حَدَّثَتْ بِهِ أَنْفُسَهَا مَا لَمْ يَتَكَلَّمُوا أَوْ يَعْمَلُوا بِهِ---[۲۷]

''بے شک اللہ تعالیٰ نے میری امت کے دل پر گزرنے والے خیالات سے درگزر فرمایا ہے، جب تک کہ وہ ان خیالات کو زبان پر نہ لائیں یا ان پر عمل پیرا نہ ہوں''---

- حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے نماز پڑھنے میں آسانی دیتے ہوئے فرمایا:

صَلِّ قَائِمًا، فَإِنْ لَّمْ تَسْتَطِعْ فَقَاعِدًا، فَإِنْ لَّمْ تَسْتَطِعْ فَعَلٰى جَنْبٍ---[۲۸]

''کھڑے ہو کر نماز پڑھو، اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو بیٹھ کر پڑھ لو، اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو کروٹ پر لیٹ کر پڑھ لو''---

- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

''اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تم پر حج فرض کیا ہے، پس تم حج کرو۔ ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا ہر سال؟ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خاموش رہے۔ یہاں تک کہ اس نے تین بار یہی سوال کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

لَوْ قُلْتُ نَعَمْ، لَوَجَبَتْ وَ لَمَا اسْتَطَعْتُمْ---

یعنی اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال حج فرض ہو جاتا اور تم لوگ اس کی طاقت نہ رکھتے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: جس بات کو میں چھوڑ دوں، اس پر اصرار نہ کیا کرو۔ تم سے پہلی امتیں زیادہ سوال کرنے اور اپنے نبیوں سے اختلاف کرنے کی وجہ سے ہلاک ہو گئیں۔ جب میں تمہیں کسی بات کا حکم دوں، تو جہاں تک استطاعت ہو، بجالاؤ اور جب میں تمہیں کسی چیز سے منع کروں، تو اس سے رک جاؤ''---[۲۹]

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، جن کا مقدس وجود تمام انسانیت کے لیے قائد کی حیثیت رکھتا ہے، نرم مزاج تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے پیروؤں پر احسان فرمانے والے، لوگوں سے تنگیوں اور سختیوں کو دور فرمانے والے اور آسانی اور سہولت فرمانے والے

واقع ہوئے تھے۔آپ ﷺ نے انسانیت کو غیر اللہ کی غلامی سے نجات عطا فرمائی، ذلت وتحقیر کی ساری رسموں کو کچل ڈالا، انسانیت کو سکون و عافیت سے ہم کنار کیا۔اس عادت کریمہ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو آپ ﷺ کا گرویدہ بنا دیا اور ان کے دلوں میں حبِ رسول ﷺ جاگزیں ہوگئی۔اس محبت کے باعث وہ زندگی بھر رسول اللہ ﷺ کی ذات سے چمٹے رہے۔

پس ضروری ہے کہ آج کا قائد، محسنِ انسانیت ہو، لوگوں کے دکھ درد کو سمجھتا ہو، ان کے ازالے کی عملی کوششیں کرتا ہو، خود غرض نہ ہو کہ محض اپنی، اپنے خاندان، اپنے دوستوں اور اپنے پارٹی کارکنوں کو نوازنے کی کوشش، اس کی سرگرمیوں کا محور ہو۔اسوۂ حسنہ کا یہ پہلو نظر انداز کر کے قیادت کا کوئی دعوے دار، عوام میں پذیرائی حاصل نہیں کر سکتا۔کچھ وقت کے لیے انسانوں کی بھیڑ جمع کر بھی لے تو احسان و بھلائی کے حقیقی جذبے کا فقدان، بہت جلد اسے نامقبول بنا دے گا، بلکہ لوگوں کے دلوں میں اس سے نفرت کے جذبات پیدا ہو جائیں گے۔

احسان و بھلائی، اسبابِ محبت میں سے ایک سبب ہے، جسے مندرجہ بالا سطور میں اسوۂ حسنہ کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے، دیگر اسبابِ محبت پر آئندہ روشنی ڈالی جائے گی۔

(ان شاء اللہ المولٰی تعالیٰ)

حوالہ جات

۱...... الصّف،۶۱:۹ ۲...... الانفال،۸:۶۴

۳...... الانفال،۸:۶۲ ۴...... الانبیاء،۲۱:۱۰۷

۵...... جامع البیان، ج۱۶،ص۴۴۰، دار ہجر

۶...... التوبۃ،۹:۱۲۸

۷...... بخاری، کتاب الرقاق، باب الانتھاء عن المعاصی، ح:۶۴۸۳/مسلم، کتاب الفضائل، باب شفقتہ علی امتہ............، ح:۲۲۸۴

۸...... ابرٰھیم،۱۴:۳۶ ۹...... المائدۃ،۵:۱۱۸

۱۰...... مسلم، کتاب الایمان، باب دعاء النبی ﷺ لامتہ، ح:۲۰۲

۱۱...... مسلم، کتاب الایمان، باب اختباء النبی ﷺ............، ح:۱۹۹/ترمذی، کتاب الدعوات، باب فضل لا حول و لا قوۃ الا باللّٰہ، ح:۳۶۰۲/ابن ماجہ، کتاب الزھد، باب ذکر الشفاعۃ، ح:۴۳۰۷

۱۲...... البقرۃ،۲:۱۸۵ ۱۳......مرجع سابق

۱۴...... المائدۃ،۵:۶ ۱۵...... الحج،۲۲:۷۸

۱۶...... النساء،۴:۲۸

۱۷......بخاری، کتاب الایمان، باب الدین یسر، ح:۳۹

۱۸...... المسند، مسند الصدیقۃ عائشۃ بنت الصدیق رضی اللہ عنہا، ح:۲۴۸۵۵

۱۹......مسلم، کتاب الطلاق، باب بیان ان تخییر امرأتہ............، ح:۱۴۷۸

۲۰...... سنن النسائی، کتاب عشرۃ النساء، باب ضرب الرجل زوجتہ، ح:۹۱۶۳

۲۱......بخاری، کتاب الادب، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یسروا و لا تعسروا، ح:۶۱۲۸

۲۲......بخاری، کتاب العلم، باب ما کان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یتخولھم بالموعظۃ کی لا ینفروا، ح:۶۹

۲۳...... الاعراف،۷:۱۵۷

۲۴......سنن ترمذی، کتاب الطھارۃ، باب ماجاء فی السواک، ح:۲۳/سنن ابوداؤد، کتاب الطھارۃ، باب السواک، ح:۴۶

۲۵......بخاری، کتاب التھجد، باب التحریض النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ....، ح:۱۱۲۹/مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین و قصرھا، باب الترغیب فی قیام رمضان............، ح:۱۷۷/ نسائی، کتاب قیام اللیل ....، قیام شھر رمضان، ح:۱۲۹۷

۲۶...... السنن الکبریٰ للبیھقی، کتاب الخلع و الطلاق، باب ما جاء فی طلاق المُکرہ، ح:۱۵۰۹۴/ ابن ماجہ، اوّل ابواب الطلاق، باب طلاق المکرہ و النّاسی، ح:۲۰۴۳

۲۷......مسلم، کتاب الایمان، باب تجاوز اللہ عن حدیث النفس ......، ح:۳۴۶

۲۸......بخاری، ابواب تقصیر الصلوٰۃ، باب اذا لم یطق قائداً صلی علٰی جنب، ح:۱۱۱۷

۲۹......مسلم، کتاب الحج، باب فرض الحج مرۃ فی العمر، ح۱۳۳۷/نسائی، کتاب المناسک الحج، باب وجوب الحج، ح:۲۶۱۹

[جاری ہے]

❀❀❀❀❀

سیدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ

حضرت سیدنا امام حسنِ مجتبیٰ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نواسے، حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا اور حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بڑے صاحبزادے ہیں--- ۱۵؍رمضان المبارک سنہ ۳ھ آپ کی ولادت ہوئی اور ۲۸؍صفر ۴۹ھ کو آپ کا وصال ہوا--- آپ پانچویں خلیفۂ راشد، صاحبِ فضل وکمال اور صورت وسیرت میں اپنے نانا جان علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عکسِ جمیل تھے--- ذیل میں اہلِ سنت کے نامور عالم دین سلطان الواعظین حضرت مولانا ابو النور محمد بشیر رحمۃ اللہ علیہ کے قلم سے نکلے ہوئے چند واقعات درج کر رہے ہیں، جن سے حضرت سیدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کی عظمت آشکار ہوتی ہے--- [ادارہ]

اچھا سوار

ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کو جب کہ وہ بچے تھے، اپنے کندھے مبارک پر بٹھالیا، راستے میں ایک شخص ملا، اس نے جو امام حسن رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے کندھے پر دیکھا تو کہنے لگا کہ اے بچے! بڑی اچھی سواری پر سوار ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ سن کر فرمایا: ''اور سوار بھی تو بڑا اچھا ہے'' --- [تاریخ الخلفاء، ص۱۳۲]

سبق: حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بڑے پیارے تھے، پس ان سے پیار رکھنا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو خوش کرنا ہے۔

فرشتے کی ڈیوٹی

ایک مرتبہ حضرات امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما بچپن میں گھر سے کہیں باہر تشریف لے گئے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کچھ پریشان سی ہوئیں کہ شہزادے کہاں چلے گئے؟ اتنے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تشریف لے آئے۔ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ! حسن وحسین آج کہیں کھوئے گئے اور مجھے نہیں معلوم کہ کہاں چلے گئے۔ اتنے میں جبریل امین علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کیا، یا رسول اللہ! آپ کے دونوں شہزادے فلاں جگہ ہیں، آپ پریشان نہ ہوں، خدا تعالیٰ نے ان کی حفاظت کے لیے ایک فرشتہ متعین کر رکھا ہے۔ یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

اس جگہ تشریف لے گئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ دونوں صاحبزادے تو پڑے سوتے ہیں اور فرشتہ ایک بازوان کے نیچے بچھائے ہوئے اور دوسرے سے سایہ کیے ہوئے بیٹھا ہے۔ حضور ﷺ نے دونوں کا منہ چوم لیا اور اٹھا کر گھر لے آئے۔ [نزھۃ المجالس، ج ۲، ص ۳۹۲]

سبق: حضور ﷺ کے یہ دونوں شہزادے فرشتوں کے بھی مخدوم ہیں، پھر انسانوں کے لیے بھی کیوں لازم نہ ہوگا کہ وہ ان شہزادوں کی محبت اپنے دل میں رکھیں اور ان کے نقشِ قدم پر چل کر ان کو اپنا پیشوا اور مخدوم جانیں۔

قیمتی شربت

حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کے ہاں ایک مہمان آیا، اس نے کھانا کھانے کے بعد شربت طلب کیا، حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا کہ آپ کو کون سا شربت درکار ہے؟ مہمان نے جواب دیا کہ وہ شربت جو نہ ملنے کے وقت جان سے زیادہ قیمتی اور مل جانے کے وقت نہایت کم قیمت ہوتا ہے۔ امام صاحب نے نوکروں سے فرمایا کہ مہمان پانی مانگتا ہے۔ حاضرین کو آپ کی ذہانت پر نہایت حیرانی ہوئی۔ [مغنی الواعظین، ص ۲۱۸]

سبق: پانی خدا تعالیٰ کی ایک بڑی گراں قدر اور قیمتی نعمت ہے، شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مرغی کو دیکھیے کہ ایک گھونٹ پانی کا پی کر فوراً اپنا منہ اوپر آسمان کی طرف اٹھا کر گویا اللہ کا شکر ادا کر لیتی ہے، مگر افسوس کہ غافل انسان بیسیوں من پانی پی کر بھی اللہ پاک کا شکر ادا نہیں کرتا۔

خون آلود چھری

ایک روز ایک شخص کو گرفتار کر کے حضرت سیدنا علی المرتضٰی کرم اللہ وجہہ الکریم کے سامنے لایا گیا۔ گرفتاری ایک ویران، غیر آباد مقام سے ہوئی تھی، گرفتاری کے وقت اس کے ہاتھ میں ایک خون آلود چھری تھی۔ یہ کھڑا ہوا تھا اور ایک لاش خاک و خون میں تڑپ رہی تھی۔

اس شخص نے حضرتِ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے سامنے اقبالِ جرم کر لیا اور انہوں نے قصاص کا حکم دیا۔ اتنے میں ایک اور شخص دوڑتا ہوا آیا، اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے اقبال جرم کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ملزم اوّل سے دریافت کیا کہ تو نے کیوں اقبال کیا تھا؟ اس نے کہا کہ جن حالات میں میری گرفتاری کی گئی تھی، میں نے سمجھا کہ ان حالات کی موجودگی میں میرا انکار کچھ بھی مفید ثابت نہ ہوگا۔ پوچھا گیا کہ واقعہ کیا ہے، اس نے کہا میں قصاب ہوں، میں نے جائے وقوع کے قریب ہی بکرے کو ذبح کیا تھا، گوشت کاٹ رہا تھا کہ مجھے پیشاب کا زور پڑا اور میں جائے وقوع کے قریب پیشاب کے لیے بیٹھا، جب فارغ ہوا تو میری نظر لاش پر پڑ گئی، میں اسے دیکھنے کے لیے قریب پہنچا اور دیکھ ہی رہا تھا کہ پولیس نے گرفتار کر لیا۔ سب لوگ

کہنے لگے کہ یہی قاتل ہے، مجھے یقین ہو گیا کہ ان لوگوں کے بیانات کے سامنے میرے بیان کا کچھ اعتبار نہ کیا جائے گا، اس لیے میں نے اقبال ہی کر لینا بہتر سمجھا۔

اب دوسرے اقبالی مجرم سے دریافت فرمایا، اس نے کہا کہ میں ایک اعرابی ہوں، مفلس ہوں، مقتول کو میں نے بہ طمع مال قتل کیا ہے۔ اتنے میں مجھے کسی کے آنے کی آہٹ معلوم ہوئی، میں ایک گوشے میں جا چھپا، اتنے میں پولیس آ گئی، اس نے پہلے ملزم کو پکڑ لیا۔ اب جب اس کے خلاف فیصلہ سنایا گیا تو میرے دل نے مجھے آمادہ کیا کہ میں اس بے گناہ کو بچاؤں اور اپنے جرم کا اقبال کر لوں۔

یہ سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تمہاری کیا رائے ہے؟ انہوں نے کہا، امیر المؤمنین! اگر اس شخص نے ایک کو ہلاک کیا ہے تو ایک شخص کی جان بھی بچائی ہے اور اللہ نے فرمایا ہے:

وَ مَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَآ أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًاؕ---[المائدة،۵:۳۲]

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ مشورہ قبول فرمالیا اور دوسرے ملزم کو بھی چھوڑ دیا اور مقتول کا خون بہا بیت المال سے دلا دیا۔ [الطرق الحکمیة فی السیاسة الشرعیة، ص۵۶]

سبق: قاضی و جج کو فیصلہ کرتے وقت بڑی سوچ اور سمجھ کے ساتھ اور سوچ و سمجھ والوں سے مشورہ لینے کے بعد فیصلہ کرنا چاہیے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ بڑے دانا اور تفقہ کے مالک تھے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ بڑا اگر چھوٹے کے مشورہ کو بہتر جان کر اس پر عمل کرے تو اس کی بڑائی میں فرق نہیں آ جاتا۔ جس طرح کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی بعض اوقات حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مشورے پر عمل فرمالیا کرتے تھے۔

ایک عجیب خواب

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ آپ کی دونوں چشمان مبارک کے درمیان قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ لکھا ہوا ہے۔ آپ کے اہلِ بیت یہ خواب سن کر بہت خوش ہوئے، لیکن جب یہ خواب حضرت سعید بن مسیّب رضی اللہ عنہ کے سامنے بیان کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ واقعی اگر یہ خواب دیکھا ہے تو حضرت امام رضی اللہ عنہ کی عمر کے چند ہی روز رہ گئے ہیں۔ چنانچہ یہ تعبیر صحیح واقع ہوئی اور تھوڑے دنوں کے بعد آپ کو دشمنوں نے زہر دے کر شہید کر دیا۔

[تاریخ الخلفاء، ص۱۳۴]

سبق: حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے دشمنوں کے ظلم سے جام شہادت نوش فرمایا، آپ کی شہادت کی طرف اشارہ پہلے ہی خواب میں ہو گیا تھا۔

❁❁❁❁❁

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کا ایک خواب

عبدالعلیم مدنی

حضرت سیدنا داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ حنفی المذہب تھے، آپ رحمۃ اللہ علیہ حضرت سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے خاص عقیدت بھی رکھتے تھے، یہی وجہ ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے کشف المحجوب میں امام اعظم رضی اللہ عنہ کا نامِ نامی اسم گرامی نہایت تعظیم کے ساتھ اس طرح تحریر فرمایا:

''امامِ اماماں ومقتدائے سنیاں، شرفِ فقہاء، عز علماء ابو حنیفہ نعمان بن ثابت الخزاز رضی اللہ عنہ''---[۱]

حضرت سیدنا داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی امام اعظم رضی اللہ عنہ سے محبت وعقیدت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

میں ایک روز سفر کرتا ہوا ملکِ شام میں مؤذنِ رسول حضرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کے روضے پر حاضر ہوا، وہاں میری آنکھ لگ گئی اور میں نے اپنے آپ کو مکہ معظّمہ (زادھا اللّٰہ شرفاً وّ تعظیماً) پایا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبیلہ بنی شیبہ کے دروازے پر موجود ہیں اور ایک عمر رسیدہ شخص کو کسی چھوٹے بچے کی طرح اٹھائے ہوئے ہیں۔

میں فرطِ محبت سے بے قرار ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف لپکا اور آپ کے مبارک قدموں کو

بوسہ دیا، دل ہی دل میں اس بات پر بڑا حیران بھی تھا کہ یہ ضعیف شخص کون ہے؟

اتنے میں اللہ عزوجل کے محبوب، دانائے غیوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قوتِ باطنی اور علم غیب کے ذریعے میری حیرت واستعجاب کی کیفیت جان گئے اور مجھے مخاطب کر کے فرمایا:

''یہ ابوحنیفہ ہیں اور تمہارے امام ہیں''---[۲]

اس حکایت سے جہاں ہمیں امام اعظم رضی اللہ عنہ کی عظمت وشان معلوم ہوئی، وہیں ہمیں یہ بھی معلوم ہوا کہ ہمارے پیارے آقا، مدینے والے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دلوں کے حالات سے بھی باخبر ہیں، جبھی تو خواب میں سیدنا داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں پیدا ہونے والے سوال کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''یہ ابوحنیفہ ہیں اور تمہارے امام ہیں''---

یہ تو خواب کا عالم تھا، نبی کریم، رؤف رّحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو اللہ عزوجل کی عطا سے اپنی حیاتِ ظاہری میں بھی کئی غیب کی خبریں ارشاد فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مَا کَانَ وَ مَا یَکُوْن کا علم عطا فرمایا، یعنی جو ہو چکا ہے اور جو ہوگا، وہ سب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علم غیب کے ذریعے جانتے ہیں۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَ كَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكَ عَظِیْمًا۝---[۳]

''اور تمہیں سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے''---

اس آیتِ مبارکہ کے تحت تفسیر خازن میں تین اقوال مذکور ہیں:

❶......شریعت کے احکام اور دین کی باتیں سکھائیں۔

❷......آپ کو علم غیب کی وہ باتیں بتائیں جو آپ نہیں جانتے تھے۔

❸......آپ کو چھپی چیزیں سکھائیں اور دلوں کے راز پر مطلع فرمایا اور منافقین کے مکر وفریب آپ کو بتا دیئے۔[۴]

ایک اور مقام پر رسولوں کو علم غیب عطا کیے جانے کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے:

وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِیُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَیْبِ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ یَجْتَبِیْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ یَّشَآءُ ص---[۵]

"اور اللہ کی شان یہ نہیں اے عام لوگو! کہ تمہیں غیب کا علم دے دے، ہاں! اللہ چن لیتا ہے اپنے رسولوں سے جسے چاہے"---

صدر الافاضل حضرت علامہ مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ اس آیتِ مبارکہ کے تحت فرماتے ہیں:

"(اللہ عزوجل) ان برگزیدہ رسولوں کو غیب کا علم دیتا ہے اور سید انبیاء، حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رسولوں میں سب سے افضل اور اعلیٰ ہیں، اس آیت سے اور اس کے سوا بکثرت آیات واحادیث سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو غیوب کے علوم عطا فرمائے اور غیوب کے علم آپ کا معجزہ ہیں"---[٦]

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا
جب نہ خدا ہی چھپا، تم پہ کروڑوں درود

ان آیاتِ مبارکہ کے علاوہ بے شمار ایسی احادیثِ مبارکہ ہیں جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غیب کی خبریں دیتے ہوئے قیامت تک ہونے والے واقعات کے ساتھ ساتھ مستقبل میں پیدا ہونے والے فتنوں سے بھی آگاہ فرمایا اور ہمیں ان سے بچنے کی ترغیب بھی دلائی ہے، چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

'لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ آدمی کو اس بات کی کوئی پروانہ ہوگی کہ اس نے (مال) کہاں سے حاصل کیا، حرام سے یا حلال سے"---[٧]

"اپنے دین پر صبر کرنے والا انگارہ پکڑنے والے کی طرح ہوگا"---[٨]

"مساجد میں دنیا کی باتیں ہوں گی، تم ان کے ساتھ نہ بیٹھنا کہ اللہ عزوجل کو ان سے کچھ کام نہیں"---[٩]

بیان کردہ گفتگو سے جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علمِ غیب معلوم ہوا، وہیں ہمیں قیامت کی نشانیوں میں سے بعض نشانیوں کے بارے میں بھی علم ہوا کہ قربِ قیامت میں لوگ اس بات کی پروا نہیں کریں گے کہ ہمارا کمایا ہوا مال حلال ہے یا حرام، اس دور میں دین پر قائم رہنا انتہائی دشوار ہوگا، مساجد میں دُنیوی باتیں ہوں گی۔ اگر ہم غور کریں تو جو علاماتِ قیامت

ذکر کی گئیں ہیں وہ ہمارے معاشرے میں پیدا ہو چکی ہیں۔ آج بدقسمتی سے لوگ حلال وحرام کی تمیز کیے بغیر دھن کمانے کی دھن میں مگن ہیں۔ یاد رکھیے! اگر ماں باپ، بہن بھائی، بیوی بچوں یا قرابت داروں کی بے جا خواہشات پوری کرنے اوران کے طعنوں سے بچنے کے لیے حرام وحلال کی پرواکیے بغیر مال ودولت جمع کرتے رہے اور علم دین سیکھ کر سنتوں کے مطابق ان کی تربیت نہ کی، تو کہیں ایسا نہ ہو کہ کل بروزِ قیامت یہی بیوی بچے ہمارے خلاف بارگاہِ الٰہی میں مقدمہ کر کے ہماری پکڑ کا باعث بن جائیں۔

اسی طرح دوسری نشانی کہ دین پر صبر کرنے والا انگارہ پکڑنے والے کی طرح ہوگا، حکیم الامت حضرت علامہ مفتی احمد یار خان رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث پاک کے تحت فرماتے ہیں:

''جیسے ہاتھ میں انگارہ رکھنا بہت ہی بڑے صابر کا کام ہے، یوں ہی اس وقت مخلص، کامل مسلمان بننا سخت مشکل ہو جاوے گا''---

فی زمانہ یہ علامت بھی ہمارے معاشرے میں پائی جانے لگی ہے کہ اگر کوئی سچا مسلمان اپنے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیاری سنتوں پر عمل کرے، اپنے چہرے پر داڑھی شریف سجا لے یا فیشن پرستی کو چھوڑ کر سنت کے مطابق اسلامی لباس اپنا لے، تو بسا اوقات ایسے مسلمان کو معاذ اللہ عزوجل طرح طرح سے ستایا جاتا ہے، اس کا مذاق اڑایا جاتا ہے، اس پر طعن وتشنیع کے تیر برسائے جاتے ہیں۔ اگر وہ تب بھی نہ مانے تو بعض اوقات اس بے چارے کو شدید ظلم وستم کا نشانہ بنا کر خوب مارا پیٹا بھی جاتا ہے۔ ایسے افراد کو چاہیے کہ اپنے اس فعل سے توبہ کریں اور دین سے محبت کا جذبہ پانے، سنتوں کی طرف رغبت بڑھانے، فرض نمازوں کے ساتھ ساتھ سنن ونوافل کی عادت بنانے کے لیے کوشاں رہیں۔

فرائض کے ساتھ ساتھ سنتیں اور تہجد، اشراق و چاشت اور اوّابین وغیرہ نوافل کی عادت بنائیں، کیونکہ فرض کی پابندی کے ساتھ ساتھ نوافل کے بھی بے شمار فضائل ہیں۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ نوافل کے ذریعے بندہ اللہ عزوجل کا محبوب ومقرب بن جاتا ہے۔ چناں چہ سیّد المبلغین، رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان عالی شان ہے کہ اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

''میرے کسی بندے نے میرے فرض کردہ احکام کی بجا آوری سے زیادہ

محبوب شے سے میرا قرب حاصل نہیں کیا اور میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں، جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو میں اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھیں بن جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے، اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے اور اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے، اگر وہ مجھ سے سوال کرے تو میں اسے ضرور عطا فرماتا ہوں اور اگر کسی چیز سے میری پناہ چاہے تو میں اسے ضرور پناہ عطا فرماتا ہوں‘‘---[۱۰]

مفسر شہیر، حکیم الامت مفتی احمد یار خان رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث پاک کے تحت فرماتے ہیں:

’’اس عبارت کا یہ مطلب نہیں کہ خدا تعالیٰ ولی میں حلول کر جاتا ہے، جیسے کوئلہ میں آگ یا پھول میں رنگ و بو، کہ خدا تعالیٰ حلول سے پاک ہے اور یہ عقیدہ (رکھنا) کفر ہے (بلکہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے) کہ وہ بندہ فنا فی اللہ ہو جاتا ہے، جس سے خدائی طاقتیں اس کے اعضاء میں کام کرتی ہیں اور وہ ویسے کام کر لیتا ہے جو عقل سے وراء ہیں (جیسا کہ حضرت سلیمان (علٰی نبیّنا و علیہ الصلوۃ و السّلام) نے تین میل کے فاصلہ سے چیونٹی کی آواز سن لی، حضرت آصف برخیا (رضی اللہ عنہ) نے پلک جھپکنے سے پہلے یمن سے تختِ بلقیس لا کر شام میں حاضر کر دیا، حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) نے مدینہ منورہ سے خطبہ پڑھتے ہوئے نہاوند تک اپنی آواز پہنچا دی، حضورِ انور (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے قیامت تک کے واقعات بچشم ملاحظہ فرما لیے، یہ سب اسی طاقت کے کرشمے ہیں۔ اس حدیث سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو طاقتِ اولیاء کے منکر ہیں‘‘---[۱۱]

حوالہ جات

۱...... کشف المحجوب، باب فی ذکر ائمتھم من تبع ...... الخ، ص ۹۸

۲...... کشف المحجوب، باب فی ذکر ائمتھم من تبع ...... الخ، ص ۱۰۱

۳...... النساء، ۴: ۱۱۳

۴......تفسیر خازن، پ۵، النساء، تحت الآیۃ ۱۱۳، ج۱، ص۴۲۹

۵...... آل عمرٰن،۳:۱۷۹ ۶......خزائن العرفان، ص۱۴۶

۷......بخاری، کتاب البیوع، باب من لم یبالی من حیث...... الخ، ج۲، ص۷، حدیث:۲۰۵۹

۸......ترمذی، کتاب الفتن، باب ما جاء فی النھی عن سب الرباح، ج۴، ص۱۱۵، حدیث:۲۲۶۷

۹...... شعب الایمان، باب فی الصلوات، فصل المشی الی المساجد، ج۳، ص۸۶، حدیث:۲۹۶۲

۱۰......بخاری، کتاب الرقاق، باب التواضع، ج۴، ص۲۴۸، حدیث:۶۵۰۲

۱۱...... مرآۃ المناجیح، ج۳، ص۳۳۶ ملتقطا

✧✧✧✧✧

عطائے خالقِ ہر دوسرا مرے داتا

عطائے خالقِ ہر دوسرا مرے داتا ضیائے سنتِ خیر الوریٰ مرے داتا
بہ فیضِ نقشِ کفِ پائے سیّدِ عالم امیرِ منزلِ صدق و صفا مرے داتا
قسم خدا کی ہمیں گمرہی کا خوف نہیں ہے رہنما جو ترا نقشِ پا مرے داتا
اسی لیے تو انہیں 'گنج بخش' کہتے ہیں ہیں فیض یابِ درِ مصطفیٰ مرے داتا
دیارِ فقر و غنا کی وہ صبحِ روشن ہیں ہیں زیبِ مسندِ صبر و رضا مرے داتا

برائے نازشِ خستہ، عظیم ہے یہ شرف
تمہارے در کا ہوں ادنیٰ گدا مرے داتا

قاری غلام زبیر نازشؔ

✧✧✧✧✧

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ

پروفیسر حافظ منظور حسین نوری

ہندوستان کی تاریخ میں ایک ایسا دَور بھی آیا، جب نام نہاد مسلمان بادشاہ اکبر خدا بن بیٹھا۔ بعض غلط اندیش، بد باطن مسلمانوں اور ہندو مشیروں نے اسے ایک ایسے غلط راستے پر ڈال دیا کہ رحمتِ الٰہی آڑے نہ آتی تو ہندوستان میں اسلام کی صورت کا پہچاننا مشکل ہو جاتا۔ اس نے مختلف مذاہب کے چند اصولوں کو خلط ملط کر کے ایک نیا دین ایجاد کیا، جس کا نام ''دینِ الٰہی'' رکھا۔ ع

برعکس نہند نامِ زنگی کافور

اس مذہب میں پیشانی پر قشقہ لگایا جاتا، مسجد اور مندر، رام اور رحیم کے ایک سا ہونے کا عقیدہ گھڑا گیا، بادشاہ خدا کا اَوتار ٹھہرا۔ اکبر خود صبح سویرے اٹھ کر سورج کو سجدہ کرتا اور رعایا پر لازم کیا گیا کہ وہ شہنشاہ کو سجدۂ تعظیم بجالائے۔

غرض اکبر کی پیدا کردہ بے راہ روی عروج پر پہنچ چکی تھی اور ہندومت نے اپنی فطرت کے مطابق اسلام کو بھی اسفنج کی طرح اپنے اندر جذب کر لینے کی ٹھان لی تھی۔ مسلمان امراء اور علماء اپنے فرائض سے غافل ہو گئے تھے، اسلامیانِ ہند کا نظام اجتماعی بھی نذرِ انتشار ہو رہا تھا،

مختلف فرقوں کی ناعاقبت اندیشانہ بحثوں نے اور علمائے سو کی جدت طرازیوں نے سخت ناگوار صورت اختیار کرلی تھی کہ قدرت نے اپنے ازلی و ابدی اصول کے مطابق جوشِ رحمت میں آکر ایک ہستی کو مبعوث فرمایا:

خونِ اسرائیل آ جاتا ہے آخر جوش میں
توڑ دیتا ہے کوئی موسیٰ طلسم سامری

یہ ہستی ابوالبرکات بدرالدین احمد المشہور بہ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی کی ذات ستودہ صفات تھی۔ آپ ۱۴/ شوال ۹۷۱ھ کو بروز جمعہ سرہند شریف میں پیدا ہوئے۔ آپ کا سلسلۂ نسب ستائیس واسطوں سے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے ملتا تھا، اس لیے آپ رحمۃ اللہ علیہ فاروقی کہلاتے ہیں۔ آپ بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے ہم جد تھے، کیوں کہ دونوں کا سلسلہ شیخ شہاب الدین علی المعروف بہ فرخ شاہ فاروقی رحمۃ اللہ علیہ سے جاملتا ہے۔ آپ کے ورودِ مسعود کی پیش گوئی حضرت محبوبِ سبحانی قطبِ ربانی غوثِ صمدانی جناب شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فرمائی تھی۔ روایت ہے کہ آپ نے اپنے کشف میں ایک عظیم نور مشاہدہ کیا اور فرمایا:

"اس نور کا ظہور مجھ سے پانچ سو سال بعد ہوگا، اس کے ذریعے تجدیدِ دین ہوگی اور اس کا نام احمد ہوگا"---

آپ کے اساتذہ میں آپ کے والد ماجد شیخ عبدالاحد رحمۃ اللہ علیہ، مولانا کمال کشمیری اور مولانا یعقوب کشمیری کا نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ ان حضرات سے آپ نے مروّجہ علوم و معارفِ دینی کی کتابیں پڑھیں اور علوم ظاہری میں کمال حاصل کر کے مسندِ درس و تدریس پر فائز ہوئے۔

روحانی فیوضات کے حصول کے سلسلہ میں آپ سب سے پہلے اپنے والدِ ماجد حضرت خواجہ عبدالاحد رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے، جو سلسلۂ عالیہ چشتیہ کے نامور بزرگ تھے۔ آپ نے سرکارِ بغداد رحمۃ اللہ علیہ کا فیض بھی بوسیلۂ خرقۂ غوثیہ حاصل کیا۔ آخر میں آپ حضرت خواجہ رضی الدین محمد باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے اور روحانی مدارج کے ذروۂ کمال تک پہنچ گئے۔ ان سے بیعت کا واقعہ بھی نہایت دلچسپ ہے۔

کہتے ہیں کہ حضرت باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ نے کابل میں ایک خواب دیکھا کہ ایک طوطی

ان کے ہاتھ پر بیٹھا ہے اور وہ اس کے منہ میں شکر ڈال رہے ہیں۔آپ نے یہ خواب اپنے شیخ ومرشد خواجہ امکنگی رحمۃ اللہ علیہ سے بیان کیا اور تعبیر پوچھی تو انہوں نے فرمایا کہ طوطی سے مراد ہندوستان کا ایک شخص ہے، جو آپ کے فیض سے مشرف ہوگا اور اس کا فیض دنیا بھر میں پھیلے گا۔ چنانچہ حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ براستہ پشاور ولاہور دہلی پہنچے اور یہیں اقامت گزیں ہوگئے۔

حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کو سفرِ مدینہ اور حج کا بہت شوق تھا، مگر ضعیف العمر والد ماجد کی خدمت مانع تھی۔ جب والد ماجد کا انتقال ہوا تو آپ نے سفرِ حج کے لیے رختِ سفر باندھا۔ چنانچہ اسی مقصد کے لیے جب سرہند سے دہلی پہنچے تو یہاں آپ کی ملاقات حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ سے ہوئی۔انہوں نے ملاقات کرتے ہی فرمایا، یہی وہ شخص ہے جس کے لیے میں کابل سے آیا ہوں۔حضرت امام ربانی نے بھی حضرت خواجہ کی ذات میں ایسی کشش دیکھی کہ انہیں کے ہو کر رہ گئے۔حضرت خواجہ کو بھی آپ کی ذات سے غایت درجہ انس تھا اور ان پر ناز رکھتے تھے۔چنانچہ ایک دوست کو خط لکھتے ہیں:

''شیخ احمد سرہند کے رہنے والے ہیں، وہ کثیر العلم اور قوی العمل ہیں، فقیر نے چند روز ان سے مجلس کی ہے، اس دوران ان سے بہت سے عجائبات دیکھنے میں آئے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ چراغ کی طرح روشن ہوں گے اور جہان ان سے روشن ہوگا۔ الحمد للہ ان کے احوالِ کاملہ نے مجھے یقین دلا دیا ہے''---[مقامات امام ربانی،ص ۱۱]

حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ سرہند شریف پہنچ کر بحکمِ شیخ مسندِ رشد وہدایت پر جلوہ گر ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسے حسنِ قبول سے نوازا کہ اطراف واکناف میں آپ کے کمالات کا غلغلہ بلند ہوا اور عوام وخواص جوق در جوق آپ کے حلقۂ ارادت میں جمع ہوگئے۔

انہی دنوں فتنۂ دینِ الٰہی عروج پر پہنچا۔ چنانچہ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی نے اس گمراہی کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے کی ٹھانی۔آپ نے برصغیر میں سب سے پہلے ہندو مسلم قومیت کی علیحدگی کا اعلان فرمایا، گویا دوسرے لفظوں میں تحریکِ پاکستان کی بنیاد رکھی۔آپ نے فرمایا:

''رام اور رحیم ایک نہیں ہوسکتے اور ہندو مسلمان یک رنگ نہیں بن سکتے۔

آپ نے کہا:

''ملتِ ما جداگانہ است''

سجدۂ تعظیمی ناجائز ہے اور سخت حرام۔ مسلمان کا سر بارگاہِ ایزدی کے سوا کسی کے سامنے نہیں جھک سکتا‘‘---

غرض آپ نے مفاسدِ وقت کی اصلاح میں بھرپور حصہ لیا، امراء وسلاطین اور ارا کینِ سلطنت کو ان کے فرائض یاد دلائے اور شعائرِ اسلام کی بجا آوری پر زور دیا، بلکہ سب سے بڑھ کر یہ عامۃ المسلمین اور جمہور علماء وصوفیہ کے نظریات کی بھی اصلاح کی۔ عہدِ اکبری کی مذہبی خرابیوں کے خلاف جو بتدریج ردِّعمل ہوا، اس میں آپ کی مساعیٔ جمیلہ کا سب سے زیادہ دخل ہے۔ اسی لیے علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہباں
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

پیکر صبر و استقامت

حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کو اپنی زندگی میں بہت سے امتحانوں سے گزرنا پڑا، مگر آپ کے پائے استقامت میں کبھی لغزش نہ آئی۔ ۱۰۰۷ھ آپ کے لیے رنج والم کا سال تھا، سب سے پہلے تو آپ کے خسر شیخ سلطان کے حسرت ناک انجام کا سانحہ پیش آیا، جو شاہِ ہند کے ایک مقرب امیر تھے اور ان کی وجہ سے حضرت مجدد کو کافی مالی آسودگی حاصل تھی۔ اس سانحہ کے پچیس روز بعد ہی حضرت کے والد ماجد انتقال فرماگئے۔

عہدِ اکبری کے آخری ایام میں جب مشفق پیرومرشد اور مربی حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ رحلت فرماگئے تو مصائب کا ایک اور سلسلہ جاری ہوگیا۔ جہانگیر تخت نشین ہوا، تو وہ بھی باپ کے نقشِ قدم پر چل نکلا۔ اس کے عہد کی ابتداء میں آپ کے لیے سب سے بڑی مشکل یہ پیدا ہوئی کہ دربارِ جہانگیر میں آپ کے مخالف امراء برسرِ اقتدار آگئے اور امام ربانی کے خلاف جہانگیر کے کان بھرنے شروع کردیے، کہ یہ شخص تیری سلطنت کے خلاف سازش کررہا ہے اور سجدۂ تعظیم ناجائز کہتا ہے۔ اس نے اپنے ہم نواؤں کی ایک فوج تیار کررکھی ہے اور وہ دن دور نہیں جب تیری سلطنت پر قابض ہوجائے گا۔

انھی ایام میں طاعون کی وبا پھیلی اور آپ کے کئی اعزہ چل بسے، جن میں آپ کے بڑے صاحبزادے خواجہ محمد صادق، دو کم عمر صاحبزادے محمد فرخ اور محمد عیسیٰ، ایک صاحبزادی

امّ کلثوم اور بعض دوسرے افرادِ خاندان شامل تھے۔ آپ کے بڑے صاحبزادے بڑے عالم وفاضل اور آپ کے مرشد کو بہت عزیز تھے۔ ان کی مفارقت کا آپ کو بہت صدمہ ہوا، مگر ان اندوہناک اور ہمت شکن حالات میں آپ نے جس کردار کا مظاہرہ کیا اور جس استقامت کا ثبوت دیا، وہ آپ جیسے عالی حوصلہ اور خدارسیدہ بزرگ کے ہی شایاں ہے۔

ایک خط میں خواجہ حسام الدین کو لکھتے ہیں:

"یہ مصیبتیں بظاہر جراحت معلوم ہوتی ہیں مگر حقیقت میں تریاق اور مرہم ہیں، وہ صبر وشکر جو حق تعالیٰ نے اس مصیبت میں اس کمزور دل کو کرامت فرمایا ہے، بڑی اعلیٰ نعمت اور بہت بڑا انعام ہے"---

ایک دوسرے خط میں خواجہ محمد طالب بدخشی کو تلقینِ صبر وتسلیم آموزی کے وقت جواباً لکھتے ہیں:

"حق تعالیٰ مومنین کو اموال واولاد اور سب اشیاء سے زیادہ پیارا اور محبوب ہے، زندہ کرنا اور مارنا اسی کا فعل ہے، اس میں کسی اور کا عمل دخل نہیں، لہٰذا اس کا فعل بھی عزیز اور محبوب ہوگا۔ محبّ اپنے محبوب کے فعل سے لذت پاتے اور خوش ہوتے ہیں، ان کو صبر کی ترغیب دینا مکروہ اور نامناسب ہے۔ مقامِ رضا اگرچہ رغبت وسرور کی خبر دیتا ہے مگر حصولِ لذت کا مرتبہ اور ہی بات ہے"---

غرضیکہ ادھر خانگی مصائب کا دَور تھا، ادھر بادشاہی میں آپ کے خلاف سازشوں کا زور تھا۔ چناں چہ جہانگیر نے مشتعل ہو کر آپ کو اپنے دربار میں بلایا۔ آپ تشریف لائے تو مسنون طریقہ پر السلام علیکم کہا، جہانگیر نے آدابِ شاہی ملحوظ رکھنے اور سجدۂ تعظیمی کا مطالبہ کیا، اس پر حضرت نے فرمایا:

"یہ بڑی گمراہی ہے کہ انسان کسی انسان کو سجدہ کرے، میرا سر بارگاہِ صمدیت کے سوا کہیں نہیں جھک سکتا"---

علامہ اقبال مرحوم نے اسی موقع کے متعلق کہا ہے اور آپ کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے:

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفسِ گرم سے ہے گرمیٔ احرار

جہانگیر صدائے حق کی ایک ضرب نہ سہہ سکا اور گھبرا گیا۔ سوچا کہ معاملہ کسی طرح نپٹ جائے اور میری آن بھی رہ جائے۔ چنانچہ درباریوں اور حواریوں سے مل کر تجویز کیا کہ میں فلاں کمرے میں بیٹھتا ہوں اور حضرت کو اس کی کھڑکی سے گزار کر اندر لایا جائے۔ حضرت تو گزرنے کے لیے جھکیں گے مگر میری بات بھی بن جائے گی۔ جہانگیر کے عمال جب آپ کو مقررہ کھڑکی کے پاس لے گئے تو آپ نے اصل معاملے کو فراست ایمان سے بھانپ لیا۔ رسولِ کریم ﷺ نے درست فرمایا ہے:

اِتَّقُوْا فِرَاسَۃَ الْمُؤْمِنِ فَإِنَّہٗ یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰہِ---[ترمذی، ح ۳۱۲۷]

''مومن کی فراست سے بچو، کیوں کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے''---

حضرت امام ربانی نے اپنا دایاں پاؤں پہلے اندر داخل کیا، پھر بایاں اور اس کے بعد باقی جسم .... جہانگیر کی سکیم فیل ہوگئی تو طیش میں آگیا اور آپ کو قید کر کے قلعہ گوالیار بھیج دیا، جہاں باغیانِ حکومت کو بھیجا جاتا تھا۔ مگر آپ نے اسے سنتِ یوسفی سمجھ کر خندہ پیشانی سے قبول کیا اور حضرت یوسف علیہ السلام کی طرح جیل میں بھی ہزاروں گمراہوں کو راہ راست پر لگایا اور بے شمار فاسق و فاجر دوبارہ راہِ حق پر آ گئے۔

جب آپ کو قید و بند میں گئے کافی عرصہ ہو گیا تو کہتے ہیں جہانگیر کی بیٹی کو خواب میں آنحضرت ﷺ کی زیارت فیض بشارت نصیب ہوئی اور آپ ﷺ نے فرمایا:

''ہم تمہارے باپ سے ناراض ہیں، اس نے ہمارے نورِ نظر اور مقرب شیخ احمد سرہندی کو قید کر رکھا ہے''---

جہانگیر نے یہ خواب سنا تو بہت متاثر ہوا، فوراً آپ کی رہائی کا حکم دیا اور اپنی کوتاہی کی معافی چاہی۔ آپ نے فرمایا:

''میں اس وقت تک جیل سے باہر نہ آؤں گا اور نہ ہی معاف کروں گا، جب تک میری یہ شرائط منظور نہ کی جائیں:

1. ہندوؤں کے غلبہ کے باعث جو مساجد تباہ و برباد ہو چکی ہیں ان کی ازسرِ نو تعمیر کی جائے۔
2. کفار سے شریعتِ مصطفیٰ ﷺ کے مطابق جزیہ لیا جائے۔

3 گاؤ کے ذبیحہ پر پابندی ختم کی جائے۔

4 شاہی دربار میں سجدۂ تعظیمی بند کیا جائے''---

جہاں گیر کا مقدر رسا تھا، اس لیے آپ کی یہ شرائط مان لیں اور تائب ہو گیا۔ قید سے رہا ہونے کے بعد آپ تقریباً چار سال تک شاہی لشکر میں ارشاد و ہدایت کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ تو زکِ جہانگیری کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں جہانگیر کی اپنی کایا پلٹ گئی تھی اور اسے ترویجِ شریعت کا خاص خیال رہتا تھا۔ اس میں یقیناً آپ کی تعلیمات کا وافر حصہ تھا۔

مکتوبات شریف

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے امت کی اصلاح اور دین کی تبلیغ و اشاعت کے لیے ایک باقاعدہ نظام قائم کیا تھا۔ اس مقصد کے لیے آپ نے مبلغین کی جماعتیں بیرونی ممالک میں بھی روانہ کیں۔ نیز بادشاہانِ وقت اور مقتدر حکام کے نام مکتوبات روانہ کیے، جن کا مجموعہ ''دلائل التجدید'' کے نام سے کتابی صورت میں موجود ہے۔ آپ کے ملفوظات میں ایسا سحر تھا کہ آپ کی مساعی سے نہ صرف دینِ اکبر مٹ گیا، بلکہ جہانگیر خود بھی تائب ہو گیا اور اپنے بیٹے کو آپ کا مرید کرایا۔ آپ نے مغل دور کے مقتدر وزیر عبدالرحیم خانِ خاناں کے نام چودہ اور ابوالفضل و فیضی کے برادرِ نسبتی حسام الدین کے نام پندرہ، مغلوں کے ایک اور وزیر سید فرید بخاری کے نام اکیس اور مرزا فتح اللہ کے نام تین مکتوبات لکھے۔ یہ تمام مغل بادشاہوں کے دربار میں زبردست اثر و رسوخ رکھتے تھے۔ آپ نے بعض دیگر نامور امراء کے نام بھی خطوط لکھے، جو تقریباً ایک سو ہیں۔

لاہور کا مغل سردار قلیچ خان آپ کا اس درجہ معتقد ہو گیا تھا کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر فقہ، تفسیر اور حدیث کے اسباق لیتا تھا۔ اس سردار نے اپنے زمانے میں تقویتِ دین اور ترویجِ علوم اسلامی کے سلسلہ میں بڑی خدمات انجام دیں اور لاہور دار السلام کی حیثیت اختیار کر گیا۔ آپ خود بھی کچھ عرصہ تک لاہور میں مقیم رہے۔ اپنے ایک خط میں لاہور کے متعلق لکھتے ہیں:

''ہندوستان کے تمام شہروں کی بہ نسبت یہ شہر فقیر کے نزدیک قطبِ ارشاد

کی مانند ہے، اس شہر کی خیر و برکت ہندوستان کے تمام شہروں میں جاری وساری ہے،
حق سبحانہ وتعالیٰ اس کا مؤید وناصر ہو" ---

آپ کی نسبت کہا جاتا ہے کہ آپ کے دو خوارق تھے: ایک تو مکتوبات، دوسرے آپ کے فرزندانِ گرامی۔ آپ کے فرزندوں نے آپ کے بعد آپ کے مشن کو بہت ترقی دی اور سلسلۂ مجددیہ کو بیرونِ ملک بھی ترقی دی۔ مکتوبات کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ آپ صاحبِ طرزادیب تھے اور محاسن ومعائبِ انشاء کے ماہر تھے۔ ان کی عبارات آپ کی ذہنی جرأت وجسارت، غیرت وخودداری، علمیت وحمیتِ دینی، سلیم الخیالی اور سلیقۂ تحریر کی ترجمان ہیں۔ آپ نے بعض دیگر رسائل بھی لکھے، مگر مکتوبات کو آپ کا شاہکار سمجھنا چاہیے۔ یہ آپ کی زندگی میں ہی مرتب ہو گئے تھے اور اپنی مقبولیت کے باعث بہت سے ممالک میں پھیل گئے تھے۔ ان مکتوبات سے مسلمانوں کو عقائد واعمال کی متعین راہ دکھائی گئی ہے، انہیں شمعِ ہدایت کہنا چاہیے۔ آپ کے طرزِ تحریر میں خطیبانہ اور پُر تاثیر جوش ہے، بعض جگہ انشائی خوبیوں کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے، جو بہت لطف دیتا ہے۔ ان کی مقبولیت کی وجوہ شارحین نے بے شمار لکھی ہیں لیکن سب سے بڑی بات یہی ہے کہ ان میں حضرتِ مجدد نے جن گتھیوں کو سلجھایا ہے، ان سے عامۃ المسلمین کا بہت فائدہ ہوا ہے۔

سرتاج نقشبندیہ

آپ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے نامور بزرگ ہوئے ہیں، اس سلسلہ میں سنتِ رسول کی پیروی پر بہت زور دیا گیا ہے اور بدعات کی سختی سے مخالفت کی گئی ہے۔ اس سلسلۂ عالیہ کے بزرگوں کی روشن اور بہترین مثال حضرت امامِ ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا وجود مسعود ہے۔ عشقِ رسول آپ کے رگ وپے میں سرایت کیے ہوئے تھا، حتیٰ کہ مکتوبات شریف کی جلد سوم کے صفحہ ۲۲۴ پر لکھتے ہیں:

"محبتِ من بحضرت حق سبحانہ وتعالیٰ ازاں جہت است کہ او تعالیٰ
ربّ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم است" ---

یعنی مجھے اللہ تعالیٰ سے محبت اس لحاظ سے ہے کہ وہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا پروردگار ہے اور یہ حقیقت بھی ہے کہ ہمارا پہلا تعلق تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو جانا اور مانا تو

عرفانِ خداوندی حاصل ہوا۔علامہ اقبال نے اپنے انداز میں اس حقیقت کو یوں بیان کیا ہے:

معنیٔ حرفم کنی تحقیق اگر بنگری با دیدۂ صدیق اگر
قوتِ قلب و نظر گردد نبی از خدا محبوب تر گردد نبی

تاہم اس قدر والہانہ عشق ومحبت کے باوجود کسی موقع پر شریعتِ مطہرہ کا دامن آپ نے کبھی ہاتھ سے نہ چھوڑا۔آپ غالی صوفیہ کے نظریات سے بھی اتفاق نہیں رکھتے تھے،آپ ان علماء اور مفکرینِ اسلام کے اوّلین نمائندہ تھے، جنھوں نے فکر،عقیدہ اور عمل کو اسلام کی کسوٹی پر کسا۔اگر وہ شرعی معیار پر پورے اترے تو انہیں لیا، ورنہ رد کر دیا۔آپ کو اس بات کا یقین تھا کہ اگر ہر رطب و یابس بلکہ مضر خیالات قبول کر لیے گئے تو قوم کا نہ صرف شرعی بلکہ فکری اور روحانی نظام درہم برہم ہو جائے گا۔شیخِ اکبر محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کی دو مشہور کتابیں فصوص الحکم اور فتوحاتِ مکیہ ہیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ دونوں کتابیں نہایت معرکۃ الاراء اور بلند پایہ ہیں، مگر کہیں کہیں ایسی عبارات آجاتی ہیں جو اپنے ظاہر مفہوم کے لحاظ سے ذوق پر گراں گزرتی ہیں۔چنانچہ ایک خط میں ان کے متعلق فرماتے ہیں:

''مارا بہ نص کار است نہ بہ فص۔ مارا فتوحاتِ مدینہ از فتوحاتِ مکہ مستغنی ساختہ است''---

کفر اور اس کے رسم ورواج سے آپ کو نہایت نفرت تھی۔آپ رحمۃ اللہ علیہ کا رویہ غیر مسلموں کے بارے میں دیگر صوفیہ سے مختلف تھا۔آپ اس صلح وآشتی کو جو بعض صوفیہ نے جائز رکھی ہوئی تھی اور جس کا مظہر حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر ہے:

حافظا گر وصل خواہی ، صلح کن با خاص و عام
با مسلماں اللہ اللہ ، با برہمن رام رام

نہایت نقصان دہ خیال کرتے تھے۔آپ کہتے تھے:

''مسلماناں بر دینِ خود باشند و کفار بر کیشِ خود''

یعنی ان کے طریقوں میں امتزاج واتحاد کی کوئی گنجائش نہیں۔اسی راز کو بالآخر علامہ اقبال اور قائداعظم کی نگاہِ دوررس نے بھی سمجھ لیا اور اپنا مشن بنا کر قیامِ پاکستان کی صورت میں عملی جامہ پہنا دیا۔حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کو ایک ہندو ہر دے رام نے دو خط لکھے، جن میں

فقراء اور صوفیہ سے بہت محبت کا اظہار کیا اور لکھا:

''رحمٰن اور رام حقیقت میں ایک ہیں''---

حضرت کو اس استدلال پر سخت غصہ آیا اور لکھا:

''رحمٰن اور رام کو ایک جاننا بڑی بے وقوفی ہے۔ خالق، مخلوق کے ساتھ ایک نہیں ہوتا اور چوں، بے چوں کے ساتھ متحد نہیں ہو سکتا''---

غرض آپ ان کوششوں کے سخت مخالف تھے جو ہندو مت اور اسلام کے امتزاج کے متعلق بعض لوگ کرتے تھے اور ایسے لوگوں کی کوششوں سے ہی تصوف اور بھگتی کی تحریکیں شانہ بشانہ چلنے لگی تھیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت مجدد اپنے بعض معتقدین کے ساتھ گنگا کے قریب سے گزرے تو نماز کا وقت آ گیا۔ آپ نے حمیتِ دینی اور کفر سے غلبۂ نفرت کے تحت فرمایا کہ گنگا کے پانی سے استنجا کر لو، لیکن وضو مت کرنا۔ آپ سرزمینِ ہندوستان میں پہلے شیخِ طریقت ہیں جنہیں غیر مسلموں کے جارحانہ حملوں کی مدافعت کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے اندر پیدا شدہ مفاسد کا طلسم بھی توڑنا پڑا۔

اگرچہ آپ خود صاحبِ کشف و کرامات بزرگ تھے، لیکن جانتے تھے کہ عامۃ المسلمین کشف و کرامات کی دنیا میں نہیں رہتے، اس لیے انہیں قرآن و سنت کی سیدھی سادی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی ضرورت ہے اور اسی بات کی انہیں تلقین کی جانی چاہیے۔

نظریہ وحدت الوجود اور وحدت الشہود

واضح ہو کہ وحدت الوجود کا مسئلہ وہ معرکہ خیز مسئلہ ہے جس پر صدیوں سے اہلِ ظواہر اور صوفیہ میں اختلاف چلا آتا ہے۔ بزرگانِ سلف اس مسئلے پر قدیم دَور سے اشارات کرتے آئے ہیں اور صوفیہ اس مسئلے کو معرفت کی جان سمجھتے ہیں۔ اس مسئلے کا ماحصل یہ ہے کہ وجود مطلق ایک ہی ہے، یعنی ذاتِ باری تعالیٰ جو مختلف مظاہر میں ظاہر ہے، لیکن ہر مظہر کا جدا حکم ہے، مظاہر کے احکام میں فرق کرنا ضروری ہے، اسی لیے مومن کے لیے نجات کا حکم ہے اور کافر کے لیے عذاب کا۔

ہر مرتبہ از وجود حکمے دارد   گر فرقِ مراتب نکنی زندیقی

وحدت الوجود کے قائلین میں بڑے بڑے علمائے صالحین اور صوفیائے عارفین شامل ہیں،

چنانچہ سلسلہ قادریہ میں شیخ اکبرمحی الدین ابن عربی، شیخ صدرالدین قونوی، شیخ عبدالکریم، شیخ عبدالرزاق، شیخ امان پانی پتی رحمۃ اللہ علیہم، کبرویہ میں حضرت مولانا روم، شمس الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہما، سہروردیہ میں حضرت شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ، چشتیہ میں سید محمد گیسودراز، سید جعفر مکی رحمۃ اللہ علیہما، نقشبندیہ میں حضرت خواجہ عبیداللہ احرار، مولانا جامی، ملا عبدالغفور لاری، حضرت خواجہ باقی باللہ کابلی، شیخ عبدالرزاق کاشی، شمس الدین فغاری، سعیدالدین فرغانی رحمۃ اللہ علیہم، علمائے مدینہ میں شیخ ابراہیم کردی رحمۃ اللہ علیہ، مشائخ مکہ میں شیخ حسام الدین علی متقی رحمۃ اللہ علیہ، علمائے ہند میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جیسے حضرات اس کے قائل ہیں۔ حضرت غوث اعظم اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہما کے کلام میں اس کے اشارات موجود ہیں۔ حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ سے تواتراً منقول ہے کہ وہ اپنے مریدین کو وحدت الوجود کی تلقین فرماتے تھے۔ [کذا فی فتاویٰ عزیزی]

صوفیہ کا ایک دوسرا گروہ ان اشارات کی تاویل کرتا ہے اور اس کو استغراق ومحویت پر محمول کرتا ہے۔ ان حضرات کو وحدت الوجود کی واقعیت میں کلام ہے۔ شیخ علاؤالدولہ سمنانی اور بعض دیگر حضرات معتقدین اور خصوصاً حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی قدس سرہٗ اور آپ کے اتباع متاخرین میں سے وحدت الشہود کے قائل تھے۔ آپ فرماتے تھے کہ سالک کو بعض اوقات وحدت الوجود کا احساس ہوتا ہے، لیکن نفس الامر میں ایسا نہیں، جیسے کہ سورج کی روشنی میں تمام ستارے بے نور ہو جاتے ہیں اور نظر نہیں آتے، حالانکہ وہ موجود ومنور ہوتے ہیں، لیکن نورِ آفتاب کے غلبہ کے باعث ان کا نور مضمحل ہو جاتا ہے۔ پس یہ وحدت جس کو وحدت الوجود کہا جاتا ہے، دراصل وحدت الشہود ہے۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ بھی وحدت الشہود کے قائل تھے اور بوستان کی بہت سی حکایات کے ضمن میں اس باریک نکتہ کو مختلف پیرایوں سے سمجھاتے ہیں۔

حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی لکھتے ہیں کہ یہ دونوں امر فی الواقع صحیح ہیں۔ حکمتِ الٰہی کا تقاضا تھا کہ امت کی نشو ونمائے کمال کے آغاز میں علوم توحید القا کیے جائیں، تاکہ لوگ اللہ کے قرب ومعیت کے معنی سے متلذذ ہوں۔ جب یہ معرفت معراجِ کمال کو پہنچ گئی تو رفتہ رفتہ کج فہم لوگوں نے عارفین کے کلمات سے ملحدانہ معانی نکالنے شروع کر دیے اور

انہوں نے اس باریک معرفت کو تعطیلِ شرائع اور ابطالِ تکلیفات کا وسیلہ بنانا چاہا۔ یہاں تک کہ عنایتِ الٰہیہ حضرت شیخ احمد سرہندی کو بروئے کار لانے کی مقتضی ہوئی اور اپنے علوم عالیہ ان پر القا کیے۔ آپ نے دیکھا کہ عام لوگ صوفیہ کے ان نظریات کا غلط مطلب لے کر انسان پر عائد شدہ فرائض سے پہلوتہی کی راہ نکال رہے ہیں اور اسلام و کفر کی حد فاصل کو گرا دینے کے درپے ہیں، تو آپ نے تعدیل الحار بالبارد و الرطب بالیابس کے مطابق کام کیا، جس سے لوگوں کے خیالاتِ باطلہ کی اصلاح ہوئی اور حق و باطل کے مابین امتیاز پیدا ہوگیا۔ مجددیت کے معنی کا مصداق آپ کی ذات اسی لیے قرار پائی:

اے درد سبھی سے برملا کہتا ہوں　　توحید نہ میں چھپا چھپا کہتا ہوں
ملا کو بھی اس میں نہیں چاہیے انکار　　بندہ بندہ، خدا خدا کہتا ہوں

خوارق و کرامات

آپ سرتاپا اتباعِ رسول کے نشہ سے سرشار تھے اور استقامت علی الحق کو سب سے بڑی کرامت تصور فرماتے تھے۔ خوارق و کرامات کے دعاوی سے ہمیشہ دور رہ کر اپنے مقلدین اور متبعین کو عمل کی اہمیت پر زور دیتے۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے قربِ خاص سے نواز رکھا تھا اور آپ اس مقام رفیع پر پہنچ چکے تھے، جہاں:

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود　　گرچہ از حلقومِ عبد اللہ بود

اس سے بڑھ کر اور کیا بزرگانہ شان و کرامات ہوسکتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے بنفسِ نفیس تشریف لا کر جہانگیر سے ناراضگی کا اظہار فرمایا اور آپ کو قید و بند سے رہائی دلائی۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کی نظر پر سے اللہ تعالیٰ نے تمام حجابات دور کر رکھے تھے اور آپ رحمۃ اللہ علیہ نہایت مستجاب الدعوات تھے۔ تفسیر مظہری میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

”حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے دو صاحبزادے ملا طاہر لاہوری کے پاس سے علم شریعت حاصل کرتے تھے، ایک روز فرمایا: بچو! تمہارا استاذ شقی ہے؛ میں اس کی پیشانی پر لکھا دیکھ رہا ہوں۔ یہ سن کر صاحب زادوں نے پیار سے اصرار شروع کر دیا کہ ابا جی! آپ مجددِ وقت ہیں، دعا سے ہمارے استاذ کی شقاوت، سعادت سے بدل دیں۔ چنانچہ آپ نے رات بارگاہِ ربّ العزت میں خصوصی دعا کی اور

صبح بچوں کو بشارت دی کہ تمہارے استاذ کو ''سعید'' لکھ دیا گیا ہے''---

مکتوبات شریف میں فرماتے ہیں کہ حضور غوثِ پاک شہنشاہِ بغداد رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فرمان کہ میں تقدیر کو ٹال سکتا ہوں اور میری دسترس قضائے مبرم میں بھی ہے، مجھے دیر تک پریشان کرتا رہا اور بہت عرصہ اسے سوچتا رہا، حتی کہ مجھے بھی اللہ تعالیٰ نے یہ مرتبہ نصیب کیا تو میری تسلی ہوگئی۔

آپ نے دنیا سے رحلت کی پیش گوئی بھی قبل از وقت کر دی تھی۔ وفات سے چند ماہ پیش تر فرمایا کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس دنیا میں بظاہر ۶۳ سال قیام فرمایا، تو ان کا غلام اس سے زیادہ کیسے رہ سکتا ہے؟ اسی طرح رحلت سے ایک روز قبل آپ کی زبان پر ہندی کا یہ مصرع تھا:

آج ملاوی کنت سوں، سکھی سب جگ دیواں ہار

''آج وصال کا دن ہے، سکھی! میں اس خوشی پر تمام دنیا کو نثار کر دوں''---

رحلت

آخری عمر میں آپ رحمۃ اللہ علیہ پر ضیق النفس کا حملہ ہو گیا تھا، حوادث نے بھی ضعفِ جسمانی کا غلبہ کر دیا تھا۔ آپ سرہند شریف میں خلوت گزیں ہو گئے، تاہم آپ کے معمولات اور عبادت و ریاضت میں کوئی فرق نہ آیا۔ آخری رات اپنے خدام اور اہلِ خانہ کو بتا دیا تھا کہ یہ میری آخری رات ہے۔ چنانچہ نمازِ فجر کے بعد ۲۸ صفر المظفر ۱۰۳۴ھ کو آپ واصل بحق ہو گئے:

صورت از بے صورتی آمد بروں

باز شد اِنَّـا اِلَـیْـہِ رَاجِعُوْن

پیام مجدد

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک مکتوب میں اپنے دور کی ملتِ مسلمہ کو خطاب کیا ہے، فرماتے ہیں:

''ہر کلمہ گو پر نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث پر عمل کرنا ضروری ہے کہ تمہیں دین کے کسی ایک حکم، قرآن کی ایک آیت یا ایک حدیث کا علم ہی کیوں نہ ہو، اس کی تبلیغ کرو۔ خود مسلمان بنو اور دوسروں کو مسلمان بناؤ۔ اسلام کے تمام بنیادی عقائد پر خود بھی عمل کرو اور دوسروں کو بھی عمل کی تلقین کرو۔ اسلام وملت

کے اجتماعی مفاد کو ذاتی مفاد پر ترجیح دو اور اسے اپنی زندگی کا نصب العین بناؤ۔ دین کی تبلیغ بہت بڑی دولت ہے۔ اس طرح تم خداوند تعالیٰ کی رضا حاصل کرو گے اور انبیائے کرام علیہم السلام کے وارث قرار پاؤ گے اور اسی طرح تمہاری دنیاوی زندگی بھی بہتر ہو جائے گی اور عقبہ بھی سنور جائے گی، یہی تمہارے لیے بڑی سعادت ہوگی''---

شاعر مشرق کا خراج عقیدت

برصغیر میں اسلام کی نشأۃ ثانیہ کے سلسلہ میں آپ کی مساعیٔ جمیلہ کو ہر قومی درد رکھنے والے مفکر اور مؤرخ نے بنظرِ استحسان دیکھا ہے اور آپ کی کوششوں کو خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔ حقیقت بھی یہ ہے کہ آپ کی اسلامی خدمات آبِ زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔ چنانچہ مشہور تاریخ دان ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی آپ کی خدمات کو سراہتے ہوئے لکھتے ہیں:

''جہاں گیر کے دور میں شیخ احمد سرہندی آگے بڑھے اور آپ کی کاوشوں سے تحریکِ احیائے دین کا آغاز ہوا۔ چنانچہ اس انقلاب کو اکبر، جہانگیر، شاہ جہاں اور اورنگ زیب کے درباروں کی بدلتی ہوئی فضاؤں میں دیکھا جا سکتا ہے۔ اکبر آزاد خیالی اور الحاد کا نقطۂ عروج تھا، جہانگیر کی تخت نشینی سے اس آزاد خیالی کا زوال شروع ہوتا ہے''---

حکیم الامت، رومیٔ عصر، شاعرِ مشرق علامہ اقبال مرحوم خود ملتِ اسلامیہ کا درد رکھنے والے تھے، اس لیے ایک مرتبہ آپ کے مزارِ پُر انوار پر حاضر ہوئے تو آپ کی بارگاہ میں نہایت پُر اثر الفاظ میں نذرانۂ عقیدت پیش کیا۔ دراصل علامہ اقبال بھی فعال تصوف کے قائل تھے اور ایسے تصوف کے مظہرِ اتم حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ فرماتے ہیں:

حاضر ہوا میں شیخِ مجدد کی لحد پر — وہ خاک کہ ہے زیرِ فلک مطلعِ انوار
اس خاک کے ذرّوں سے ہیں شرمندہ ستارے — اس خاک میں پوشیدہ ہے وہ صاحبِ اسرار
گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے — جس کے نفسِ گرم سے ہے گرمیٔ احرار
وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہباں — اللہ نے بر وقت کیا جس کو خبردار

✧✧✧✧✧

علامہ فضلِ حق خیرآبادی رحمۃ اللہ علیہ

علامہ محمد طاہر عزیز باروی

بعض شخصیات اپنے زمانے، علاقے، حسب ونسب اور الفاظ وامثال سے بہت بالاتر ہوتی ہیں، زمانہ، علاقہ، خاندان، حسب ونسب ہر ایک کی پہچان ان شخصیات کی نسبت سے ہوتی ہے۔

حدیث بے خبراں ہے تو بزمانہ بساز
زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ ستیز

ایسی شخصیات میں ایک نام جو چودھویں کے چاند کی طرح پوری آب وتاب کے ساتھ چمک رہا ہے وہ بطلِ حریت، مجاہدِ ملت، میر کاروانِ جنگِ آزادی علامہ فضل حق خیرآبادی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ وہ فلسفہ اور منطق کے امام، عربی اور فارسی کے جید عالم، بلند مرتبت شاعر وادیب اور آزادی کے سرخیل علامہ فضل حق رحمۃ اللہ علیہ علوم عقلیہ کے امام اور مجتہد تھے۔ اس سے بھی بالا وہ بہت بڑے سیاست دان، مفکر اور مدبر اور وہ شیر کا دل رکھنے والے بہادر اور شجاع بھی تھے۔ مسندِ تدریس کو زینت بخشی تو ایوان ہائے اقتدار میں زیبِ مسند ہوئے تو دوررس نتائج کے حامل اعلیٰ پائے کے فیصلے کیے، صدر الصدور، حضور تحصیل، سررشتہ دار اور دیگر کئی بڑے بڑے عہدوں پر فائز رہے۔ سید سلیمان ندوی کے بقول:

"فضل حق خیرآبادی کے دم عیسوی نے معقولات میں وہ روح پھونکی کہ ابن سینائے وقت مشہور ہوئے"---

ان کا تعلق خیرآباد ضلع سیتاپور کے قصبہ خیرآباد کے گہوارۂ علم وادب کے خاندان سے تھا۔

کسی دانش ورکا یہ جملہ ان کے خاندانی کی علمی خدمات کے اعتراف میں مبنی بر حقیقت تھا کہ:

''اب چودھویں صدی کے ربع آخر میں اس کی حالت کچھ بھی ہو مگر حلقۂ درس وتدریس سے تعلق رکھنے والے جانتے ہیں کہ گزشتہ صدی کے آخر تک خیر آباد کو خیر البلاد لکھا جاتا تھا''---[علمائے ہند کا شاندار ماضی، ص ۹۴۹]

اس عالی مرتبت خاندان کا شجرۂ نسب امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے جاملتا ہے۔ اس خاندان کے علمی قد کاٹھ کا اندازہ یہاں سے ہو کہ مرد تو رہے مرد عورتیں بھی اس قدر رسوخ فی العلم کی حامل تھیں کہ بڑے بڑے علماء ان کے سامنے سر نہ اٹھا سکتے۔ ان میں تین خواتین کو علمی طور پر بہت شہرت حاصل ہوئی؛ جن میں بی بی سعید النساء حرماں خیر آبادی، ہاجرہ بی بی خیر آبادی، بی بی رقیہ بنت عبدالحق خیر آبادی۔ اوّل الذکر کے متعلق ان کے برادرِ گرامی علامہ عبدالحق بن فضل حق خیر آبادی کہا کرتے تھے:

''اچھا ہوا کہ سعید النساء بہن ہوئیں، ورنہ ان کے سامنے ہمیں کون پوچھتا؟''---

علامہ فضل حق ۱۲۱۲ھ، بمطابق ۱۷۹۷ء میں اپنے آبائی وطن خیر آباد میں پیدا ہوئے، آپ کے والد ماجد مولانا فضلِ امام خیر آبادی علماءِ عصر میں ممتاز اور علوم عقلیہ کے اعلیٰ درجہ پر سرفراز تھے، تمام علوم عقلیہ ونقلیہ اپنے والد حضرت فضل امام خیر آبادی سے اور حدیث شریف محدثِ شہیر شاہ عبدالقادر محدث دہلوی وحضرت عبدالعزیز محدثِ دہلوی رحمۃ اللہ علیہما سے دہلی میں حاصل کی، چنانچہ حضرت علامہ نے ۱۲۲۵ھ، بمطابق ۱۸۰۹ء تیرہ سال کی عمر میں تمام مروّجہ علوم عقلیہ ونقلیہ کی تکمیل کی۔ قوتِ حافظہ کا یہ عالم کہ چار ماہ کچھ دن کے قلیل عرصہ میں مکمل قرآن پاک حفظ کرلیا۔

مرزا غالب کے ہم عمر اور ہم ذوق ہونے کی وجہ سے غالب سے گہرے تعلقات تھے اور گہرے بھی اس قدر کہ غالب نے اپنے دیوان کی ترتیب ان کے مشورے سے کی۔ مولانا حالی لکھتے ہیں کہ:

''مولانا کی تحریک سے مرزا نے اپنے کلام سے دو ثلث کے قریب اشعار نکال ڈالے اور اس کے بعد اس روِش پر چلنا چھوڑ دیا''---

[یادگار غالب، ص ۲۰۱]

یہاں سے علامہ مرحوم کی فنِ شعری میں پختگی اور بلندی کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے اور

صرف دیوان کی ترتیب پر مشورہ نہیں دیا، بلکہ کئی اشعار میں غالب کی اصلاح بھی کی۔

تاریخ نگاران لکھتے ہیں کہ دہلی میں علماء کی دو جگہ نشست تھی؛ ایک علامہ فضل حق کے یہاں اور دوسرے مفتی صدرالدین آزردہ کے دولت کدہ پر۔ علامہ کے علمی دربار میں آٹھویں روز شعرائے دہلی کا اجتماع ہوتا تھا۔ غالب، صہبائی، مومن، آزردہ، احسان، نیر، نثار، شیفتہ، ضمیر، ممنون، نصیر وغیرھم اور علماء میں وقت کے جید اور جلیل القدر علماء کا جم غفیر ہوتا تھا۔

اسی پر علامہ عبدالشاہد شیروانی لکھتے ہیں:

''اندازہ لگائیے کہ اکبر بادشاہ کے شاہی دربار سے یہ دربار کسی طرح کم تھا؟ بادشاہ نے لاکھوں روپے صرف کر کے نورتن جمع کیے تھے اور ان شاہانِ علم نے اپنے حسنِ اخلاق سے سیکڑوں با کمال حضرات کو درباری بنالیا تھا''---

[باغی ہندوستان، ص۱۶۲-۱۶۳]

آپ کے مشہور تلامذہ میں حضرت تاج الفحول مولانا شاہ عبدالقادر بدایونی، مولانا سید عبداللہ بلگرامی، حضرت مولانا سید ہدایت علی بریلوی، حضرت مولانا خیرالدین دہلوی (والد ابوالکلام آزاد)، حضرت مولانا ہدایت اللہ خان رام پوری، مولانا فیض الحسن سہارن پوری، نواب یوسف علی خاں رام پوری، اعلیٰ حضرت فاضل بریلی کے استاذ گرامی مولانا عبدالعلی رام پوری، نواب کلب علی رام پوری اور مولانا عبدالحق خیر آبادی شامل ہیں۔

اسلامیانِ ہند کی سیاسی آزادی کے محاذ کے علاوہ علامہ فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے مسلمانوں کے عقیدہ کی حفاظت وصیانت کی جنگ بھی لڑی، ہندوستان میں سوادِ اعظم کو بدعتی اور مشرک جیسے قبیح القاب دیے جانے لگے اور ان کے عقائد پر جب قدغنیں لگانے کے لیے لوگ میدان عمل میں اترے، اس تحریک کے آغاز سے ہی آپ نے اپنے رفقاء کرام سے مل کر میدانِ عمل میں آکر علمی وقلمی جہاد کیا اور تحفظِ عقائد اہلِ سنت کا فریضہ بطور احسن سرانجام دیا۔

علامہ فضل حق خیر آبادی امام الحکمۃ و الکلام اور قائد جنگِ آزادی ہونے کے ساتھ بلند پایہ مصنف بھی تھے۔ دو درجن سے زائد آپ نے تصانیف چھوڑی ہیں اور منطق وفلسفہ کے دقیق فنی مباحث پر آپ کی کئی ایسی تصانیف وحواشی ہیں جنھیں آج چند علما ہی سمجھ پائیں گے۔

جن میں تاریخ فتنۃ الھند، فارسی، عقائد فتنۃ الھند، الجنس العالی فی شرح الجوھر العالی، حاشیہ افق المبین، حاشیہ تلخیص الشفا لابن سینہ، حاشیہ قاضی مبارک، شرح

رسالة فی تحقیق الاجسام ، رسالة فی تحقیق الکلی الطبعی، الروض المجود فی مسئلہ وحدة الوجود، الھدیة السعیدیة، تحقیق الفتویٰ فی ابطال الطغویٰ، امتناع النظیر اور قیدِ تنہائی یعنی جیل میں لکھی جانے والی معروفِ زمانہ کتاب ''الثورة الھندیة'' (باغی ہندوستان) تحریر کی، جو انقلابِ آزادی کا ایک مستند ترین ماخذ ہے۔ ''الثورة الھندیة'' اور ''قصائد فتنة الھند'' (منظوم) کو علامہ نے جزیرۂ انڈمان سے بذریعہ حضرت مفتی عنایت احمد کاکوروی اپنے فرزند مولانا عبدالحق خیرآبادی کے پاس کوئلہ اور پنسل سے کپڑا وغیرہ پر لکھ کر بحفاظت تمام بھیجا تھا۔ اس کتاب پر مولانا ابوالکلام آزاد نے جان دار تعارف لکھا اور یہ طبع و مترجم ہو کر منظر عام پر آئی۔ طویل مدت تک درس و تدریس اور تصنیف و تالیف سے وابستہ رہے اور جہان بھر سے علوم کے متلاشی دیوانہ واران کی طرف دوڑے چلے آئے اور اپنے آپ کو اس چشمۂ صافی سیراب کیا۔

علامہ خیرآبادی نے دو نکاح فرمائے، ان کی پہلی زوجہ سے ایک صاحبزادے علامہ عبدالحق خیرآبادی اور تین بیٹیاں بی بی سعید النساء، بی بی نجم النساء اور بی بی مخمور النساء متولد ہوئیں۔ اوّل الذکر صاحبزادی کی علمی ثقاہت کا ذکر اوّلین سطور میں گزر چکا ہے۔ بقیہ جمیع اولاد علمی اعتبار سے اپنے اپنے زمانے میں منفرد و ممتاز جانے جاتے۔ جب کہ دوسری زوجہ سے آپ کے دو صاحبزادے علامہ شمس الحق اور علامہ علاء الحق تھے۔ والد گرامی کے انتقال کے بعد گھریلو ذمہ داریوں کا بوجھ بھی ان کے کندھوں پر تھا۔ ازیں سبب 1815ء میں سرکاری ملازمت سے وابستہ ہو گئے۔ 1831ء میں نواب فیض محمد خاں والیٔ جھجھر (ہریانہ) نے عزت و احترام کے ساتھ اپنے یہاں بلایا اور پانچ سو روپے نذرانہ پیش کرتے رہے۔ یہاں سے آپ مہاراجا الور کی دعوت پر ریاست الور، پھر نواب ٹونک، اس کے بعد نواب رام پور میں ملازمت کی، رام پور کے بعد لکھنو کے صدر الصدور اور حضور تحصیل کے مہتمم بنائے گئے۔ سہارن پور میں بھی دو سال تک کسی بڑے عہدے پر فائز رہے۔ ایک عرصہ تک دہلی کے سر رشتہ دار بھی رہے۔ وہ جہاں بھی رہے رشکِ قمر ہی رہے اور مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ شاہانِ وقت بھی ان کی قربت کو فخر گردانتے۔ اسی لیے علامہ خیرآبادی جب ہریانہ کے لیے روانہ ہوئے تو بہادر شاہ ظفر نے اپنا دوشالہ اتار کر آپ کو اوڑھا دیا اور نم آنکھوں سے گویا ہوئے:

''چوں کہ آپ جانے کو تیار ہیں، میرے لیے بجز اس کے کوئی چارۂ کار نہیں

کہ میں بھی اس کو منظور کرلوں لیکن خدا جانتا ہے کہ لفظ وداع زبان پر لانا دشوار ہے'' ---

معرکۂ ستاون کے دوران میں بہادر شاہ ظفر کو علامہ مخلصانہ مشورہ دیتے رہے اور بہادر شاہ اس اعتماد کی بنا پر جو اسے علامہ کے اخلاص اور ان کی اصابت رائے پر تھا، ان مشوروں پر عمل کیا کرتے تھے۔ (مختلف دستاویزات) مجاہدین کی اعانت روپے اور سامانِ رسد سے، اہل کار حکام کا تقرر، مال گزاری کی تحصیل کا انتظام اور ہمسایہ والیانِ ریاست کو جنگ میں اعانت و شرکت کی دعوت کے لیے لال قلعہ کے دارالانشاء (سیکریٹریٹ) سے علامہ کے حکم سے بہت سے پروانے جاری ہوئے۔ معرکے کے دوران علامہ نے شاہی فوج کی کمان بھی کی۔ بہادر شاہ نے جنگ کے ایام میں سہ رکنی ''کنگ کونسل'' بنائی، جس کے ایک رکن علامہ بھی تھے۔ علامہ نے سلطنت کا جو دستور العمل بنایا تھا اس کے نفاذ کے لیے ایک مجلسِ منتظمہ تشکیل دی گئی، جس کا نگران آپ کو بنایا گیا۔ 19 ر ستمبر کو دہلی پر انگریزی حکومت کا قبضہ ہو جانے کے بعد علامہ اودھ میں بیگ حضرت محل کے ساتھ سرگرم ہو گئے۔ مئی 1857ء میں میرٹھ اور دوسری چھاؤنیوں میں کارتوسوں کا قضیہ زور پکڑ چکا تھا۔ گائے اور سور کی چربی کی آمیزش کی خبر سے مسلم اور ہندو فوجی بگڑ بیٹھے تھے۔ علامہ عبدالشاہد شیروانی لکھتے ہیں:

''علامہ سے جنرل بخت خاں ملنے پہنچے، مشورہ کے بعد علامہ نے آخری تیر ترکش سے نکالا۔ بعد نمازِ جمعہ جامع مسجد (دہلی) میں علماء کے سامنے تقریر کی، استفتاء پیش کیا۔ مفتی صدرالدین آزردہ، مولوی عبدالقادر، قاضی فیض اللہ دہلوی، مولانا فیض احمد بدایونی، ڈاکٹر مولوی وزیر خاں اکبر آبادی اور سید مبارک شاہ رام پوری نے دستخط کیے۔ اس فتویٰ کے شائع ہوتے ہی ملک میں عام شورش بڑھ گئی۔ دہلی میں نوے ہزار سپاہ جمع ہو گئی تھی'' --- [باغی ہندوستان، ص ۲۱۵]

بہادری اور شجاعت ان میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ غدر کے بعد نہ جانے کتنے سورما ایسے تھے جو گوشۂ عافیت کی تلاش میں مارے مارے پھر رہے تھے، لیکن مولانا خیر آبادی ان لوگوں میں تھے جو اپنے کیے پر نادم اور پشیماں نہیں تھے۔ انھوں نے سوچ سمجھ کر اس میدان میں قدم رکھا تھا اور اپنے اقدام عمل کے نتائج بھگتنے کے لیے وہ حوصلہ مندی اور دلیری کے ساتھ تیار تھے۔ سراسیمگی، دہشت اور خوف جیسی چیزوں سے مولانا بالکل ناواقف تھے۔

انگریزوں کے دلی پر تسلط کے بعد بادشاہوں، درباریوں اور لوگوں کے دلی سے چلے

جانے کے بعد آپ اپنی عزیز ترین متاع کتابیں، مال واسباب چھوڑ کر اللہ پر بھروسہ کر کے اہل وعیال کے ساتھ نکل کھڑے ہوئے اور کشتی کی مدد کے بغیر دریاؤں کو عبور کر کے بصد مشکل وہ اپنے وطن میں احباب ورشتہ دار تک پہنچ گئے۔ وہاں غربت وعسرت کے زندگی کے شب وروز جاری تھے کہ ملکہ وکٹوریہ کی جانب سے امن وامان کا پروانہ نظر سے گزرا، اس پر بھروسہ کر کے وہ اہلِ وطن میں پہنچ گئے۔ کچھ ہی عرصہ بعد آپ کو دھوکے سے بلا کر قید کر دیا گیا اور لکھنؤ بھیج دیا گیا۔ انتہائی سرعت سے آپ پر مقدمہ چلا کے تھوڑے دن بعد آپ پر مختلف الزام جیسے بغاوت اور قتل کی سازش، باغی سرداروں کی حمایت ومعاونت جیسی دفعات عائد کر کے مارچ میں عمر قید بہ عبور دریائے شور (کالا پانی) بحیثیت قیدی سرکار انگلشیہ اور ضبطی جائیداد کی سزا دی گئی، ان کا جوتا اتار لیا، لباس اتار کر موٹے اور سخت کپڑے پہنا دیے۔ نرم اور بہتر بستر چھین کر خراب، سخت اور تکلیف دہ بچھونا حوالہ کر دیا۔ نہ پلیٹ، نہ لوٹا اور نہ کوئی برتن ان کو دیا۔ ماش کی دال گرم پانی کے ساتھ کھلایا جاتا۔ اس طرح جزیرہ انڈمان کے کنارے ایک اونچے پہاڑ پر پہنچا دیا گیا۔ جزیرہ انڈمان اور قید کے احوال آپ کی اپنی زبانی ملاحظہ ہوں:

"دشمن کے ظلم وستم نے مجھے دریائے شور کے کنارے ایک بلند ومضبوط، ناموافق ہوا والے پہاڑ پر پہنچا دیا، جہاں سورج ہمیشہ سر پر رہتا تھا۔ اس میں دشوار گزار راہیں اور گھاٹیاں تھیں، جنھیں دریائے شور کی نہریں ڈھانپ لیتی تھیں، اس کی نسیم صبح بھی گرم وتیز ہوا سے زیادہ سخت اور اس کی نعمت زہر ہلاہل سے زیادہ مضر تھی۔ اس کی غذا حنظل سے زیادہ کڑوی، اس کا پانی سانپوں کے زہر سے بڑھ کر ضرر رساں، ہوا بدبودار اور بیماریوں کا مخزن تھی۔ مرض سستا اور دوا گراں، بیماریاں بے شمار، خارش وقوبا (وہ مرض جس سے بدن کی کھال پھٹنے اور چھلنے لگتی ہے) عام تھی۔ یہاں کی معمولی بیماری بھی خطرناک ہے۔ بخار موت کا پیغام، مرض سرسام اور برسام (دماغ کے پردوں کا ورم) ہلاکت کی علتِ تام ہے۔ بہت مرض ایسے ہیں جن کا کتبِ طب میں نام ونشان نہیں۔ نصرانی ماہر طبیب مریضوں کی آنتوں کو تنور کی طرح جلاتا اور مریض کی حفاظت نہ کرتے ہوئے آگ کا قبہ اس کے اوپر بناتا ہے۔ مرض نہ پہچانتے ہوئے دوا پلا کر موت کے منہ کے قریب پہنچا دیتا ہے۔ جب کوئی ان میں سے مرجاتا ہے تو نجس وناپاک خاکروب جو درحقیقت شیطانِ خناس

یا دیو ہوتا ہے، اس کی ٹانگ پکڑ کر کھینچتا ہوا غسل و کفن کے بغیر اس کے کپڑے اتار کر ریت کے تودے میں دبا دیتا ہے۔ نہ اس کی قبر کھودی جاتی ہے، نہ نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے۔ اگر مسلمان کی خودکشی مذہب میں ممنوع اور قیامت کے دن عذاب و عتاب کو باعث نہ ہوتی تو کوئی بھی یہاں قید و مجبور بنا کر تکلیف مالا یطاق نہ دیا جاسکتا اور مصیبت سے نجات پالینا بڑا آسان ہوتا'' ---

[باغی ہندوستان، ص ۹۷]

حالات کا رخ بدلا، جزیرۂ انڈمان میں متعین سپرنٹنڈنٹ علم و ادب کا ذوق رکھتا تھا، اس کے پاس ایک قلمی کتاب تھی، اسے اس کتاب کی تفہیم میں مدد درکار تھی، وہ کتاب آپ تک پہنچی، آپ نے نہ صرف اس کی عبارتیں درست کیں بلکہ مطالب، اضافے اور حاشیے میں کتابوں کے حوالے بھی دے دیے۔ سپرنٹنڈنٹ آپ کی ذہانت اور قابلیت سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا اور اس کے بعد مولانا کو محرری کا کام سپرد کر دیا گیا اور اس طرح اذیتوں میں کچھ تکلیف کم ہوگئی۔ کچھ عرصہ کے بعد مولانا کی رہائی کا حکم صادر ہوا تو ان کے لخت جگر علامہ عبدالحق خیرآبادی والد کو لانے کے لیے انڈمان پہنچے۔ جہاز سے اترنے کے بعد ان کی نظر ایک جنازے پر گئی، جس کے ساتھ انبوہ (بھیڑ) تھی، دریافت کرنے پر علم ہوا کہ فضلِ حق خیرآبادی آخری سفر پر گامزن ہیں۔ یہ بھی بصد حسرت و یاس شریکِ دفن ہوئے اور بے نیلِ مرام واپس لوٹے:

قسمت کی بدنصیبی! کہاں ٹوٹی ہے کمند
دوچار ہاتھ جب کہ لبِ بام رہ گیا

اس طرح جنگ آزادی کا ایک عظیم ستارہ جدوجہد کی تھکاوٹ سے فارغ ہو کر جزیرہ انڈمان کی جیل میں ایک سال دس ماہ تیرہ دن اسیری کے بعد 12/صفر المظفر 1278ھ، مطابق 20/اگست 1861ء کو جہانِ فانی سے رخصت ہوا اور جان جان آفریں کے سپرد کردی۔ آج بھی آپ کی قبر ''آزادی'' کی اذانیں سنا رہی ہے۔

بعد از وفات تربت ما در زمیں مجو
در سینہ ہائے مردم عارف مزار ما

❀❀❀❀❀

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت رحمۃ اللہ علیہ

شیخ الحدیث علامہ غلام رسول سعیدی رحمۃ اللہ علیہ

اعلیٰ حضرت، عظیم البرکت الشاہ مولانا احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ۱۰/شوال المکرّم ۱۲۷۲ ہجری، مطابق ۱۴/جون ۱۸۵۶ء، بروز اتوار، شہر بریلی کے محلّہ جسولی میں ہوئی۔ پیدائشی نام 'محمد' اور تاریخی نام ''المختار'' ہے۔ جدامجد حضرت مولانا رضا علی خان نے آپ کا نام ''احمد رضا'' رکھا۔ خود اعلیٰ حضرت نے اپنی ولادت کا سنہ ہجری اس آیت کریمہ سے مستنبط فرمایا:

أُولَٰٓئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِّنْهُ---

[المجادلۃ، ۵۸:۲۲]

''یہ ہیں وہ جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش فرما دیا اور اپنی پسندیدہ روح سے ان کی مدد فرمائی''---

چار سال کی عمر میں قرآن پاک ناظرہ ختم کرلیا، چھ سال کی عمر میں ربیع الاوّل کی

تقریب میں منبر پر رونق افروز ہوئے اور ایک مجمعِ عظیم میں میلاد شریف پڑھا۔ اردو، فارسی کی کتب پڑھنے کے بعد میزان، منشعب وغیرہ کی تعلیم مرزا غلام قادر بیگ سے حاصل کی، پھر تمام دینیات کی تعلیم اپنے والد گرامی حضرت مولانا نقی علی خان رحمۃ اللہ علیہ سے مکمل کی۔ تیرہ سال، دس ماہ کی عمر میں تفسیر، حدیث، کلام، فقہ وغیرہا تمام علوم دینیہ کی تکمیل کر لی۔ ۱۴/شعبان المعظم ۱۲۸۶ ہجری میں دستارِ فضیلت کو اعزاز بخشا اور اسی دن مسئلہ رضاعت سے متعلق ایک فتویٰ لکھ کر اپنے والدِ ماجد کی خدمت میں پیش کیا، جواب بالکل صحیح تھا، والد صاحب نے جودتِ ذہنی دیکھ کر اسی وقت سے افتاء کا کام آپ کے سپرد کر دیا۔ تمام عمر درس وتدریس، افتاء وتصنیف میں بسر ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے والہانہ عشق تھا، ذکر وفکر کی ہر مجلس میں تصورِ رسالت سے ذہن شاداب رہتا تھا۔ آپ نے دینِ متین کے ہر گوشہ کو محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سمو دیا۔ عشق ومحبت کی پاکیزہ لطافتوں کو جن لوگوں نے بدعت کا نام دیا، انہیں سنت و بدعت کا فرق سمجھایا، عظمتِ رسول میں تنقیص کرنے والوں کا عاشقانہ غیرت سے احتساب کیا، علم وعمل کے ہر پہلو میں عظمتِ رسول کو اُجاگر کیا، عرب وعجم کے علماء نے آپ کی تکریم کی، ریاضی اور جفر کے بڑے بڑے ماہرین نے آپ کی علمی عظمت کے سامنے گھٹنے ٹیک دیے اور شرق و غرب میں آپ کا علمی اور روحانی فیض جاری ہو گیا۔

۲۵/صفر المظفر ۱۳۴۰ ہجری (28/اکتوبر 1921ء)، بروز جمعۃ المبارک، دو بج کر اڑتیس منٹ پر آپ نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ ادھر مؤذن نے حیّ الفلاح کی صدا بلند کی، ادھر آپ نے جان، جانِ آفرین کے سپرد کر دی۔ جس وقت آپ کا وصال ہوا، اسی وقت بیت المقدس کے ایک شامی بزرگ نے خواب میں دیکھا کہ نبی کریم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ تشریف فرما ہیں اور آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی کے منتظر ہیں۔ انہوں نے عرض کیا کہ حضور! کسی کا انتظار ہے؟ فرمایا:

''احمد رضا کا''---

[ماخوذ از سوانح امام احمد رضا]

قیامِ پاکستان اور قرآن

حافظ محمد اکرم راشدؔ

مالکِ ارض وسماء کا ہم پر بے پایاں احسانِ عظیم ہے، جس نے ہمیں وطنِ عزیز جیسی عظیم نعمت سے سرفراز فرمایا اور آزادی جیسی بے بہا دولت مرحمت فرمائی۔ انسانی تاریخ کے کسی دور کا اگر بنظرِ غائر مطالعہ کیا جائے، خواہ یہ دور غاروں کا دور ہو یا جھونپڑیوں کا، محلات کا ہو یا مکانوں کا، کاغذ کا دور ہو یا دھاتوں کا، پتھروں کا دور ہو یا سنگلاخ چٹانوں کو کاٹ کر بنائے گئے گھروں کا، تو یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ ہر دور میں انسانی تہذیب وتمدن کے انداز بدلے ہیں۔ کلچر اور ثقافت کے نئے نئے نقشوں نے جنم لیا ہے، افکار وحوادث کے رنگ ہائے جدید قائم ہوئے ہیں، خیالات نے انقلاب کا جامہ زیبِ تن کیا ہے۔ اس کے باوجود تاریخِ انسانی کے ہر دور میں ایک قدر مشترک ہر قوم وملت میں بدرجۂ اتم موجود رہی ہے اور وہ یہ کہ تضادات وتباین کے باوجود اور اختلاف وتنوع کے باوصف انسانی شعور نے جب سے آنکھ کھولی ہے، اس نے ہمیشہ، ہر حال میں اور ہمہ وقت آزادی کی حمد وستائش کی ہے اور اپنی آزادی کو قائم رکھنے کی جہدِ مسلسل اور سعئ کامل کی ہے۔ اس جہدِ مسلسل اور مساعئ جمیلہ کا نام تاریخِ انسانی ہے۔

ہندوستان میں جب تحریکِ آزادی نے جنم لیا اور قیامِ پاکستان کے لیے جد و جہد کا آغاز ہوا تو علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے مسلمانوں کی راہنمائی قرآن کی روشنی میں کی۔ آپ نے مغرب کے جمہوری نظام کو اسلام کے خلاف سازش قرار دیا۔ انہوں نے فرمایا کہ مغرب کا

جمہوری نظام استبداد وملوکیت کی ایک نقاب پوش شکل ہے۔اس میں نوعِ انسانی آزادی سے ہمکنار نہیں ہوسکتی۔دوسرے یہ کہ مغربی اندازِ فکر اور مغربی نظامِ جمہوریت اسلام کی ضد ہے، اس میں مسلمانوں کو وہ آزادی میسر نہیں آسکتی کہ جو اسے اسلام عطا کرتا ہے۔اس مغربی نظام جمہوریت نے اور اشتراکیت نے یہ آوازہ بلند کیا کہ اقتدار کا سرچشمہ عوام ہیں، ان کو حق حکومت پہنچتا ہے، مگر قرآن کریم اس مفروضے کو باطل قرار دیتا ہے۔قرآن کے نزدیک کسی انسان کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ دوسرے انسان کو اپنا محکوم بنائے۔قرآن واضح الفاظ میں یہ نکتہ عوام الناس کے قلوب واذہان میں لانا چاہتا ہے کہ حکومت اللہ کی کتاب یعنی قرآنِ حکیم کے ذریعے قائم ہوگی۔

برصغیر کے مسلمان تحریکِ آزادی میں شریک ہوئے اور اس جدوجہد آزادی میں اس اساسی نظریہ کے ساتھ مستعد ومتحرک ہوئے کہ وہ پاکستان قائم کریں گے، جہاں قرآن کی حکومت ہوگی اور اللہ کا قانون نافذ ہوگا۔ان کے پاس جذبہ صادق تھا، یہ ان کے ایمان کامل ہونے کی دلیل تھی اور ان کا یقینِ محکم تھا کہ دنیا کی بڑی طاقت مسلمانانِ برصغیر کے جوشِ ایمانی کے سامنے زیر ہوگئی اور غیر ملکی استعمار نے ہار مان لی۔

یہ کرشمہ بھی ہے کہ پاکستان ٹھیک اس دن عالم وجود میں آیا اور منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوا جس دن 27/رمضان المبارک تھی، یوم نزولِ قرآن تھا۔بے شک یہ اللہ تعالیٰ کا حکم تھا، یہ نظام الٰہی تھا کہ پاکستان ایسے دن قائم ہوا کہ جو تمام عالم اسلام کے نزدیک مبارک و متبرک ہے اور جس کی عظمت وتقدیس میں پورا عالم اسلام متفق ہے۔درحقیقت اللہ کا یہ بڑا اہم فیصلہ تھا، کیونکہ منشاء الٰہی یہی تھا کہ پاکستان قائم ہوا اور اس میں حکومتِ قرآن قائم ہوئی۔

یوم آزادی کے دن ہم چراغاں کرتے ہیں، مٹھائیاں تقسیم کرتے ہیں، جھنڈیوں سے گھروں اور بازاروں کو سجاتے ہیں، قمقمے روشن ہوتے ہیں، یوم آزادی والی رات بازار کو دلہن کی طرح سجا کر اپنا مقصد ہم پورا کرتے ہیں اور ہمارے نزدیک قیام پاکستان کا مقصد یہی تھا جو ہم نے حاصل کرلیا۔آزادی کا مقصد جو ہم نے سمجھ رکھا ہے وہ یہی ہے کہ ہم لوگ مادر پدر آزاد ہوگئے، عدل وانصاف سے آزاد ہوگئے، زہد وتقوی سے آزاد ہوگئے، امانت و دیانت سے آزاد ہوگئے، حق وصداقت سے آزاد ہوگئے، شریعت وطریقت سے آزاد ہوگئے، شرافت ولیاقت سے آزاد ہوگئے، فرماں برداریٔ والدین سے آزاد ہوگئے، عظمتِ کبائر اور شفقتِ صغائر سے آزاد ہوگئے۔ یہ بات ہرگز نہیں ہے، آزادی کا مقصد یہ تھا کہ ہم

انگریزوں اور ہندوؤں کی غلامی سے آزاد ہوں نہ کہ ہر قسم کی نیکی، احسان، بھلائی واچھائی کو خیر آباد کہہ دیں۔

عنوان ''قیام پاکستان اور قرآن'' قرآنِ پاک میں اگرچہ پاکستان کا لفظاً ذکر نہیں ہے لیکن احکام الٰہی پر عمل پیرا ہونے کے لیے ارضِ پاک کا ہونا انتہائی ناگزیر ہے اور ارضِ پاک کا دوسرا نام پاکستان ہے، لفظاً ذکر واقعی نہیں ہے، لیکن یہ ضرور ہے کہ ایسی جگہ جہاں اللہ کی حکومت ہو، جہاں احکام الٰہی کی پابندی خشوع وخضوع سے کرسکیں، جہاں نظام زکوٰۃ کا نفاذ ہو، جہاں نظام اسلام کا نفاذ ہو، جہاں چور کے ہاتھ کاٹے جائیں، جہاں قاتل کو قرار واقعی سزا دی جائے، جہاں زانی کو سنگ سار کیا جائے، جہاں تہمت لگانے والے کو سزا دی جائے۔

قرآن پاک میں ''پاکستان'' کا ذکر تو نہیں ہے لیکن یہ ضرور ہے کہ ایسی جگہ ہو کہ جہاں بلا جبر واکراہ رضائے الٰہی اور رضائے مصطفیٰ ﷺ کے لیے کام کیا جائے، جہاں ناپ تول میں کمی کرنے والے نہ ہوں، جہاں شرابیوں کا وجود تک نہ ہو، جہاں ڈاکہ زنی نہ ہو، جہاں اقربا پروری نہ ہو، جہاں رشوت ستانی نہ ہو، جہاں خون ریزی نہ ہو، جہاں دہشت گردی نہ ہو۔ قرآن پاک میں ہماری سرزمین کا ذکر تو نہیں ہے لیکن یہ ضرور ہے کہ یہاں ایسے لوگ ہوں، جو ملاوٹ کے حروفِ ابجد سے بھی واقف نہ ہوں، یہاں تازہ گوشت ہو، خالص دودھ ہو، معیاری سرخ مرچ پسی ہوئی ہو، خالص دیسی گھی ہو، ان جیسی نعمتوں سے مستفیض ہو کہ لوگ عبادتِ الٰہی سے اپنے من کے گھروں کو اور اپنے تن کے گھروں کو منور اور مستنیر کریں۔ لیکن معاملہ اس کے برعکس ہے، جس مقصد کے لیے ہمیں یہ خطہ نصیب ہوا، ہم نے اس مقصد کو پسِ پشت ڈال دیا اور فراموش کردیا۔ یہی وجہ ہے کہ آج ہم غیروں کا سہارا لیے ہوئے ہیں اور غیروں کو ہماری تضحیک اڑانے کا موقع مل رہا ہے۔ ہم نے صعوبتوں اور مصیبتوں کو خود پر مسلط کرلیا ہے۔ یہ سب کچھ اسلام سے اور بانیٔ پاکستان کے فرمودات سے دوری کا نتیجہ ہے۔ قائداعظم کی روح بھی کہتی ہوگی کہ پاکستان ہم نے اس مقصد کے لیے نہیں بنایا تھا، جس کے لیے تم اسے استعمال کررہے ہو۔ اس وقت ضرورت اس امر کی ہے کہ اس نعمتِ عظمیٰ کی قدر کی جائے، ورنہ قائداعظم کی روح یوں پکارے گی:

کیا اس لیے چنوائے تھے تقدیر نے تنکے
بن جائے نشیمن تو کوئی آگ لگا دے

❀❀❀❀❀

مہینوں اور دنوں کی نحوست

علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی رحمۃ اللہ علیہ

جاہل مرد اور عورتوں میں یہ رسم ورواج ہے کہ وہ ذوالقعدہ کے مہینا کو ''خالی کا چاند'' اور صفر کے مہینا کو ''تیرہ تیزی'' کہتے ہیں اور ان دونوں مہینوں کو منحوس سمجھتے ہیں اور ان میں شادی بیاہ اور ختنہ وغیرہ کو نامبارک جانتے ہیں۔اسی طرح ہر مہینے ۳، ۱۳، ۲۳ر تاریخوں اور ۸، ۱۸، ۲۸ر تاریخوں کو منحوس سمجھ کر ان تاریخوں میں شادی بیاہ اور دوسری تقریبات کرنے کو بہت ہی برا اور نحوست والا کام سمجھتے ہیں۔کچھ جاہل مرد اور عورتیں قمر و عقرب میں شادی بیاہ کرنے کو منحوس اور نامبارک مانتے ہیں۔اسی طرح بدھ کے دن کو منحوس سمجھ کر کچھ لوگ اس دن سفر نہیں کرتے، کچھ عورتیں ان مہینوں اور تاریخوں کی نحوست سے بچنے کے لیے طرح طرح کے ٹوٹکے کرتی کراتی ہیں۔کہیں کہیں رواج ہے کہ ہر تیرہویں کچھ گھونگنیاں پکا کر تقسیم کرتے ہیں، تاکہ اس تاریخ کی منحوسیت سے حفاظت رہے۔کان کھول کر سن لو! اور یاد رکھو کہ اس قسم کے اعتقادات سراسر شریعت کے خلاف ہیں اور گناہ کی باتیں ہیں، اس لیے

ان اعتقادوں سے توبہ کرنا چاہیے (صدقہ کے طور پر کوئی چیز تقسیم کرنا منع نہیں، مگر نحوست سمجھتے ہوئے ایسا نہ کیا جائے) اسلام میں ہرگز نہ کوئی مہینا منحوس ہے، نہ کوئی تاریخ اور نہ کوئی دن۔ ہر مہینا، ہر تاریخ، ہر دن اللہ تعالیٰ کا پیدا کیا ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان میں سے کسی کو نہ منحوس بنایا ہے، نہ نامبارک۔ یہ سب اعتقاد مشرکوں، نجومیوں اور رافضیوں کے من گھڑت عقیدوں کی پیداوار ہیں، جو جاہل مرد وعورتوں میں چل پڑے ہیں، ان رسموں کو مٹانا بہت ضروری ہے۔ اسی لیے عزیز بھائیو اور بہنو! تم خود بھی ان اعتقادوں سے بچو اور دوسروں کو بھی بچاؤ۔ اللہ تعالیٰ اس جہاد کا تم کو بہت بڑا ثواب دے گا۔

❀❀❀❀❀

ماہِ صفر کی پہلی رات کے نفل

مولانا نور احمد قادری

ماہ صفر کی پہلی رات میں نماز عشاء کے بعد ہر مسلمان کو چاہیے کہ چار رکعت نماز پڑھے، پہلی رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد ﴿قُلْ یٰۤاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ﴾ پندرہ دفعہ پڑھے، دوسری رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ پندرہ مرتبہ پڑھے، تیسری رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد سورۃ فلق پندرہ مرتبہ پڑھے اور چوتھی رکعت میں سورۃ الناس پندرہ مرتبہ پڑھے، سلام کے بعد چند بار ﴿اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ﴾ پڑھے، پھر ستر (۷۰) مرتبہ درود شریف پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کو بڑا ثواب عطا کرے گا اور اسے ہر بلا سے محفوظ رکھے گا۔ [راحۃ القلوب]

لطائف ونوادِر

عبدالربّ ربانی

مقام علماء

عَنْ ثَعْلَبَۃَ بْنِ الْحَکَمِ ، قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ : یَقُوْلُ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ لِلْعُلَمَاءِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ ، إِذَا قَعَدَ عَلٰی کُرْسِیِّہٖ لِقَضَاءِ عِبَادِہٖ : إِنِّیْ لَمْ أَجْعَلْ عِلْمِیْ ، وَ حُکْمِیْ فِیْکُمْ ، إِلَّا وَ أَنَا أُرِیْدُ أَنْ أَغْفِرَ لَکُمْ ، عَلٰی مَا کَانَ فِیْکُمْ ، وَ لَا أُبَالِیْ ---[المعجم الکبیر للطبرانی، ح۱۳۸۱]

''حضرت ثعلبہ بن حکم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تبارک وتعالیٰ قیامت کے دن جب اپنے بندوں کا فیصلہ کرنے کے لیے اپنی کرسی پر (اپنی شان کے مطابق) جلوہ فرما ہوگا تو فرمائے گا: اے علماء کرام کے گروہ! بے شک میں نے اپنے علم اور فیصلہ کرنے (کی صفت) تم میں صرف اس لیے رکھی تھی کہ میں نے اس سے تمہاری مغفرت کا ارادہ کیا تھا، باوجود ان (کمزوریوں) کے، جو تم میں ہیں اور مجھے (یوں بلاحساب مغفرت کرنے کی) کوئی پروا نہیں''---

عَنْ أَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ رضی اللہ عنہ ، قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ : یَا مَعْشَرَ الْعُلَمَاءِ ، إِنِّیْ لَمْ أَضَعْ عِلْمِیْ فِیْکُمْ ، وَ أَنَا أُرِیْدُ أَنْ أُعَذِّبَکُمْ ، اِذْهَبُوْا فَقَدْ غَفَرْتُ لَکُمْ ---[المعجم الکبیر للطبرانی، ح۱۶۳۷]

''حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ ہے کہ اے علماء! میں نے تم میں اپنا علم اس لیے نہیں رکھا تھا کہ تم کو عذاب دوں، جاؤ! میں نے

تم لوگوں کی مغفرت کر لی‘‘---

مناسب الفاظ کا چناؤ

ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کے ہاتھ میں کپڑا دیکھا تو فرمایا: کیا یہ بیچنے کے لیے ہے؟ اس نے جواب دیا:

لَا، أَصْلَحَكَ اللّٰہُ---’’نہیں، اللہ تعالیٰ آپ کا بھلا کرے‘‘---

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا، تو نے جواب میں یوں کیوں نہیں کہا؟

لَا، وَ أَصْلَحَكَ اللّٰہُ---’’نہیں اور اللہ تعالیٰ آپ کا بھلا کرے‘‘---

تاکہ دعا، بددعا کے مشابہ نہ ہو۔

کم مہر

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک اعرابی کو ہلکی پھلکی نماز پڑھتے دیکھا، جب وہ نماز سے فارغ ہوا تو اس نے یہ دعا کی:

اَللّٰھُمَّ زَوِّجْنِي الْحُوْرَ الْعِیْنَ---

’’اے اللہ! حورِ عین (یعنی جنت کی موٹی موٹی آنکھوں والی اور اپنے حسن و جمال سے حیران کر دینے والی حور) سے میری شادی فرما دیجیے‘‘---

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا:

لَقَدْ أَسَأْتَ النَّقْدَ، وَ أَعْظَمْتَ الْخِطْبَۃَ---

’’تو نے مہر تو بہت کم دیا اور منگنی اتنی بڑی عورت سے کرنا چاہتا ہے‘‘---

امیری اور فقیری میں فرق

کہتے ہیں کہ ایک فقیر کو مدفون خزانہ مل گیا اور وہ بہت بڑا امیر بن گیا۔ ایک دن اس کے ایک دوست نے اس سے پوچھا، کہیے! امیری اور فقیری میں کیا فرق دیکھا؟ فقیر نے جواب دیا کہ بہت بڑا فرق ہے، جب میں فقیر تھا اور محفل میں بات کرتا تھا تو لوگ کہتے تھے کہ بکواس بند کرو، لیکن اب میں کیسی ہی بکواس کیوں نہ کروں، لوگ کہتے ہیں:

’’ماشاءاللہ! منہ سے پھول جھڑ رہے ہیں‘‘---

مغربی پروپیگنڈے کی کامیابی کا راز

مِلک بنک کے متعلق جاری حالیہ بحث کے تناظر میں

پروفیسر مفتی محمد احمد رضا صاحب (جو پی ایچ ڈی کے لیے ترکی میں مقیم ہیں) کی عمدہ تحریر

مغربی پروپیگنڈے کی کامیابی کا راز یہ ہے کہ انھوں نے جن بنیادوں پر اپنا بیانیہ اٹھانا ہوتا ہے ان بنیادوں کی شجرکاری پہلے سے ہی اپنے پروپیگنڈا کے ذریعے ہر ذہن میں کر چکے ہوتے ہیں، حتی کہ وہ بنیادیں (Universal Truth) یا مسلمہ حقائق کے طور پر تسلیم کر لی جاتی ہیں، اس کے بعد جب وہ بیانیہ لاتے ہیں تو مسلمان مفکرین عام طور پر ان کی بنیادوں کو چیلنج نہیں کرتے، بلکہ بنیادوں کو مسلمہ حقائق کے طور پر قبول کر کے بیانیے کے شرعی، اخلاقی و سماجی مسائل پر مشغولِ بحث و جواب ہو جاتے ہیں، یہی حربہ استشراقی فکر سالوں سے استعمال کرتی چلی آ رہی ہے۔

مثلاً ملک بنک سے متعلق جاری حالیہ بحث میں اس بیانیہ کی بنیاد درج ذیل مقدمات پر

رکھی گئی:

1. پاکستان میں ہر سال اڑھائی تین لاکھ شیر خوار بچے دودھ نہ ملنے کی وجہ سے فوت ہو جاتے ہیں۔
2. ان کی ماؤوں میں ان کے لیے دودھ کی ضرورت پوری کرنے کی اہلیت نہیں ہوتی۔
3. اس لیے ملک بنک کا قیام اس وقت کی بہت بڑی انسانی ''ضرورت'' ہے۔
4. شریعتِ اسلامیہ میں ''ضرورت'' کی بنیاد پر بہت سے ممنوعات کو بھی جائز قرار دیا جا سکتا ہے۔

اس میں سوشل میڈیائی تحریروں میں ہر کس و ناکس نے اپنا حصہ ڈالا، اینکروں نے اُچھل اُچھل کر فتوے پر تنقید کی، مدافعین نے ان کو جواب دینے کی کوشش کی، لیکن کوئی تحریر میری نظر سے ایسی نہیں گزری، جس میں ان مقدمات کو چیلنج کیا گیا ہو، بلکہ بالعموم اس بیانیے کی بنیادیں مسلمہ طور پر قبول کی گئیں۔ آیئے! اب ان مقدمات پر باری باری غور کرتے ہیں:

پہلا مقدمہ کہ ہر سال پاکستان میں اڑھائی تین لاکھ بچے شیر خوارگی میں فوت ہو جاتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ یہ اعداد و شمار کہاں سے حاصل کیے گئے ہیں؟ مثلاً میں پاکستان کے ایک شہر کا باسی ہوں، ایک محلے میں رہتا ہوں، ایک خاندان سے وابستہ ہوں، میں اسی معاشرے کا ایک حصہ ہوں، میں اس مقدمے کو اپنے حالیہ تناظر میں دیکھتا ہوں، میرے گھر میں کسی بچے کی وفات اس بنا پر نہیں ہوئی، میرے بہن بھائیوں اور چچا زادوں، ماموں زادوں، خالہ زادوں اور خاندان کے قرب و جوار کے گھروں میں کسی بچے کی وفات اس بنا پر نہیں ہوئی، محلے میں بھی کوئی ایسی خبر نہیں ملی، شہر بھر کی خبریں مجھے حاصل نہیں ہوتیں، لیکن شہر کے بڑے ہسپتالوں کا ڈیٹا حاصل کیا جا سکتا ہے کہ کتنے بچوں کی وفات اس بنیاد پر ہوئی، لیکن پھر بھی یہ تعداد میرے مطابق درست نظر نہیں آتی۔ ممکن ہے کوئی کہے کہ تھر اور صحرائی علاقوں میں جہاں ماؤوں کے لیے درست غذا کا انتظام نہیں ہوتا، وہاں ان اموات کی کثرت ہوتی ہو! لیکن پھر میرا یہ سوال ہے کہ جو ادارے خود کہتے ہیں کہ بچے کم ہونے چاہییں، پیدائش کو کنٹرول کرنے کے جائز و ناجائز طریقے جھونپڑی جھونپڑی جا کر تلقین کرتے ہیں، ان کے لیے

سالانہ تین لاکھ بچوں کی وفات تو اتنا بڑا مسئلہ نہیں ہونا چاہیے!!! صحیح بات یہ ہے کہ یہ اعداد و شمار چیلنج ہونے چاہییں اور غیر جانب دار سروے کے بغیر ان کو قبول نہیں کیا جانا چاہیے۔

دوسرے مقدمے کی طرف آتے ہیں، کیوں یہ کوشش نہیں کی جارہی کہ ان شیر خوار بچوں کی ماؤں کے لیے دورانِ حمل اچھی غذا پہنچانے کا اہتمام کیا جائے، جس حاملہ کے پاس اچھی غذا کی گنجائش نہ ہو اس کے لیے ادارہ بنایا جائے، وہ اس ادارے میں جا کر درخواست دے اور اچھی غذا حاصل کرے، تاکہ وہ زچہ و بچہ دونوں کی صحت کی بھی ضامن ہو، بلکہ ولادت کے دوران اور اس کے بعد ماں کی تکالیف کو بھی کم کر سکے اور اس کے دودھ میں اضافے کا باعث بھی بنے۔ ایسے ہی ولادت کے بعد ان ماؤں کے علاج اور دوا کی کوشش کی جائے، جو بچے کی ضرورت کے مطابق دودھ پیدا نہیں کر سکتیں، اس میں ماں اور بچے دونوں کا فائدہ ہے، بہ نسبت ملک بنک کے، جس میں صرف بچے کے فائدے کو ملحوظ رکھا جا رہا ہے۔

تیسرے اور چوتھے مقدمے پر غور کریں، ''ضرورت'' اصولِ فقہ کی ایک خاص اصطلاح ہے، جس کے ثابت ہونے کی شرائط ہیں، سادہ لفظوں میں اس کو اضطراری حالت کہا جا سکتا ہے، یہ درست ہے کہ اضطراری حالت میں بہت سے حرام بھی جائز ہو جاتے ہیں، لیکن اس ضرورت کے ثبوت کا پراسیس اتنا آسان نہیں جتنا پاکستان میں پہلے قانون کے طبقے نے سیاسی مسائل میں ''نظریۂ ضرورت'' کے عنوان کے تحت بے جا فائدہ اٹھایا اور دیا، اور اب مغربی پروپیگنڈا فائدہ اٹھا رہا ہے۔

راقم کی اس تحریر کی بنیادی فکر یہ ہے کہ بیانیے کے اساسی مقدمات کو چیلنج کیا جائے، پھر اگر یہ مقدمات واقعی ثابت ہو جائیں تو اس کے بعد اس کے قیام کے نتیجے میں متوقع شرعی، سماجی اور اخلاقی مسائل کے حل کے بارے میں سوچا جائے، لیکن اگر بنیادی مقدماتِ فکر ہی درست ثابت نہ ہوں، تو جان لیجیے کہ ''بہانے'' اور ''نشانے'' میں فرق ہے۔

امریکہ سے آئے ہوئے ایک مفکر سے بات کرتے ہوئے سامنے آیا کہ ''ملک بنک'' ہدف نہیں ہے، اس کے بعد ''سپرم بنک'' بنائے جائیں گے، اس کے بعد ''ہیومن ایگ بنک''

بنائے جائیں گے،اس کے بعد ٹیسٹ ٹیوب کے ذریعے ''لیب فرٹیلیٹی'' سے کام لیا جائے گا، ''جینڈر سلیکشن'' کے پراسیس کے ذریعے خواہش مند شخص کولڑکا یا لڑکی، جو چاہیے، وہ حسبِ منشا اس کا تعین کر سکے گا،''سیروگیسی'' کے عنوان سے غریب خواتین کے رحم کرائے پر لیے جائیں گے، اور ایسے میں کوئی بھی، کسی بھی نکاح جیسی شرعی واخلاقی قید کے بغیر بچے پیدا بھی کر سکے گا اور پہلے سے قائم کردہ ''ملک بنک'' کے ذریعے ان کے لیے شیرِ مادر کا بندوبست بھی ہو سکے گا۔ مستقبل میں ایسے بچوں کی زندگی اپنی لیب کی پیدائش کے اخراجات اٹھانے والے پیرنٹ (Parent) کے ''غلام'' یا ''باندی'' سے زیادہ نہیں ہوگی، اور وہ پیرنٹ (Parent) اس کے ساتھ کیا سلوک کرے گا، اس کی کوئی ضمانت نہیں ہوگی۔ اس طرح ہزار دو ہزار ڈالر کی لاگت سے تیسری دنیا میں ''نئی غلامی'' کی بنیاد رکھی جائے گی۔ باقی رہا ''خاندانی نظام'' تو مکمل ماڈرن ازم کی راہ میں وہی سب سے بڑی رکاوٹ ہے، اسی کو ختم کرنا بنیادی ہدف ہے۔

کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ سب خیالات کی حد تک ہے، مغرب میں یہ سب کچھ ہو رہا ہے، کچھ دن قبل ہی امریکہ میں ایک مسلمان لڑکی نے صرف ماں باپ سے لڑائی کی بنا پر اپنا ''ایگ'' کسی غیر مسلم خواہش مند کو چند ہزار ڈالر میں فروخت کیا ہے۔

اگر اس تناظر میں آپ دیکھیں گے تو سمجھ آئے گا، کیوں سوشل میڈیا پر ہر اینکر کو یہ پریشانی کھائے جا رہی ہے کہ ایک فتوے کی بنیاد پر یہ کارروائی کیوں روک دی گئی؟ کیوں یونیسف (unicef) کو پاکستان میں شیر خوار بچوں کی وفات پر اتنی بے چینی ہو رہی ہے اور غزہ میں جہاں سب سے زیادہ بچے اور خواتین ہی روزانہ بموں کا سامنا کر رہے ہیں، ان کی ان اموات پر کسی کے پیٹ میں درد کیوں نہیں اٹھتا:

پیتے ہیں لہو، دیتے ہیں تعلیمِ مساوات

✧✧✧✧✧

لنک: https://web.facebook.com/groups/224712351561217/user/100027813670919

[فیس بک گروپ: مجموعه بن لادن السعودية Saudi Binladin Group،

گروپ ممبر Muhammad Abid Abid]

تبصرۂ کتب

تبصرہ کے لیے کتاب کے دو نسخے آنا ضروری ہیں

مجموعہ فقہی مقالات

اس کتاب کے مصنف ڈاکٹر حافظ محمد سعد اللہ حفظہ اللہ مستند عالم دین، منجھے ہوئے قلم کار، ادیب، خطیب اور جدید و قدیم علوم پر دسترس رکھنے والے نامور محقق ہیں۔ گونا گوں موضوعات پر ان کی متعدد مفید کتابیں اہلِ علم سے خراجِ تحسین پا چکی ہیں۔ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حوالے سے رسولِ عربی اور حسن کاری، غریبوں کے والی، حبِ رسول اور صحابہ، حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی گھریلو زندگی وغیرہ ان کی مشہور کتابیں ہیں۔ زیرنظر کتاب فقہی موضوعات پر لکھے گئے ان کے مقالات کا مجموعہ ہے۔ یہ علمی و تحقیقی مقالات متعدد علمی رسائل و جرائد میں طبع ہو چکے ہیں، اب انہیں کتابی صورت میں یکجا کر دیا گیا ہے، جو بلاشبہ علمی ذخیرے میں قابلِ قدر اضافہ ہے۔ کتاب میں درج ذیل مقالات شامل ہیں:

● معیّن فقہی مسلک کا احترام --- تحقیقی جائزہ، ● غیر مسلم حکومت --- تعلق کے حدود و ضوابط، ● غیر مسلم معاشروں میں مسلمانوں کے مسائل، ● امتِ وسط کا قرآنی تصور، ● قوّامیت کا مفہوم اور احکام، ● امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا طریقۂ استدلال و استنباط، ● جہیز کی شرعی حیثیت، ● ائمۂ اربعہ میں تقلید کا انحصار اور اس کی وجہ، ● ائمۂ مجتہدین کا اختلاف اور اسباب و آداب، ● عورت کے احوالِ شخصیہ، ● عورت کی تعلیم اور شریعتِ اسلامیہ، ● شہید کی شرعی و فقہی تعریف، ● بے رحمیٔ حیوانات --- شرعی احکام، ● احکامِ شریعت میں تیسیر، ● انبیاء علیہم السلام کے اموال میں فقراء کا حق، ● صدقۃ الفطر، ● حالات و زمانہ کی رعایت اور شرعی احکام میں تبدیلی، ● اصولِ تلفیق اور عہدِ حاضر، ● تصوف اور فقہ کا باہمی تعلق، ● منصب امامت و خطابت --- شرعی معیار، ● عقد و مہر کی آئینی و شرعی حیثیت، ● اسلامی ریاست میں مسلم اور غیر مسلم کی تقسیم، ● شبِ براءت کا قیام --- شرعی حیثیت، ● اسلام میں انسانی حقوق، ● اسلام میں انسانی حقوق کا تحفظ --- فکری و عملی اقدامات

اس خوب صورت کتاب کی اشاعت پر مصنف و ناشر مبارک باد کے مستحق ہیں، صفحات 710،

ناشر: ورلڈ ویو پبلشرز، دکان نمبر 11، الحمد مارکیٹ، غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور، فون نمبر 0308-4404493

برکات آثار مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات بابرکت دین کا مرکز و محور ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیرتِ طیبہ اور تعلیمات

کے حوالے سے ہزاروں موضوعات پر لاکھوں کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ جس گوشے پر بات کی جائے بالآخر یہی کہنا پڑتا ہے: لَا یُمْکِنُ الثَّنَاءُ کَمَا کَانَ حَقُّہٗ

زیر نظر کتاب کا تعلق بھی ذاتِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے ہے، اس میں سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آثار و تبرکات کے حوالے سے درج ذیل موضوعات پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے:

● عقیدۂ تبرک اور مفہومِ تبرک، ● قرآن اور تبرکِ انبیاء، ● وجودِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تبرک، ● موئے مبارک سے تبرکات، ● خونِ رسول سے تبرک، ● لعابِ دہن سے تبرک، ● پسینہ مبارک سے تبرک، ● ناخن مبارک سے تبرک، ● طہارتِ فضلاتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ● قمیص، لحاف، کمبل، پیالہ وغیرہ --- سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زیر استعمال اشیاء سے تبرک، ● قبر انور سے تبرک، ● خاکِ مدینہ سے تبرک، ● اعتراضات کے جوابات وغیرہ 35 / ابواب اور احادیث کی تحقیق و تخریج پر مبنی یہ کتاب اہلِ سنت کے نامور عالم دین، مصنف و مترجم کتبِ کثیرہ حضرت علامہ ابوذوہیب محمد ظفر علی سیالوی حفظہ اللہ کی لائقِ تحسین و تبریک تصنیفِ لطیف ہے۔ اللہ تعالیٰ موصوف کے علم و عمل کو مزید بابرکت بنائے اور انہیں صحت و عافیت کے ساتھ بیش از بیش خدماتِ دینیہ کی توفیق عطا فرمائے۔

مجلد، بڑا سائز، صفحات 322، ناشر: فرید بک سٹال، 38- اردو بازار لاہور

غالب کی زمینوں میں 63 نعتیں

حافظ عبدالغفار حافظ سکہ بند شاعر ہیں، اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مشہورِ زمانہ سلام پر تضمین کے علاوہ ارمغانِ حافظ، بہشت تضامین، گہوارۂ بخشش، نگارِ عقیدت، نغمۂ مدحِ رسول، اربعینِ حافظ (منظوم)، ارمغانِ معلیٰ وغیرہ نعتیہ مجموعے اور قصائد و مناقب پر مبنی ''درِ منظوم'' ان کی شاعرانہ رفعتوں پر شاہد عادل ہیں۔

زیر نظر کتاب عام روایت سے ہٹ کر غالب کی سنگلاخ زمینوں میں ان کی کہی ہوئی 63 نعتوں کا مرقع ہے۔ ظاہر ہے یہ کام جوئے شیر لانے کے مترادف تھا، مگر انہوں نے کمال مہارت سے یہ معرکہ سر انجام دیا۔ امید کہ حافظ صاحب کی اس سعیِ جمیل کو بھی ان کی دیگر نعتیہ کتابوں کی طرح اہلِ فن بہ نظرِ تحسین دیکھتے ہوئے ان کے شاعرانہ کمال کے معترف ہوں گے۔ کتاب کے شروع میں بہ زمینِ غالب ایک حمدیہ رباعی ہے، پڑھیے اور داد دیجیے کہ انہوں نے اپنا نام کس خوبصورتی سے استعمال کیا ہے:

مانا کہ گناہوں کا ہے سر پر انبار — پھر بھی نہیں دل فکر و تردّد کا شکار
ہے ناز الٰہی! مجھے اس نسبت پر — غفار ہے تو اور میں عبد الغفار

یہ خوبصورت کتاب ہمیں سفیر کتب محترم صوفی محمد مقصود حسین قادری نوشاہی اویسی (کراچی) نے بھجوائی ہے۔ صفحات 160، ہدیہ ہزار روپے، ناشر: بزم ارتقائے ادب، 125/16، سیکٹر ای، نیو کراچی

❁❁❁❁❁

پانچویں قسط

کنیت

کنیت کا مفہوم اوراس کی اقسام کے حوالے سے شیخ عبداللہ دانش کے مضمون کی چار اقساط گزشتہ شماروں میں شائع ہوئی ہیں، اسی سلسلہ وار مضمون کی پانچویں قسط ملاحظہ کریں---[ادارہ]

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کنیت کے بارے میں بچپن میں سنا تھا کہ ان کی ذہین بیٹی کے نام پر آپ کی کنیت ابوحنیفہ مشہور ہوگئی۔

کیا خوب من گھڑت کہانی ہے!

مصری سکالر احمد فرید نے اپنی تصنیف من اعلام السلف کی پہلی جلد میں تیرھویں (13) نمبر پر ''الامام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ النعمان بن ثابت'' 19 صفحات کا مضمون لکھا ہے۔

اِسْمُہٗ کے تحت لکھتے ہیں:

وَ قِیْلَ سَبَبُ تَکْنِیَتِہٖ بِأَبِیْ حَنِیْفَۃَ مُلَازَمَتُہٗ لِلدَّوَاۃِ الْمُسَمَّاۃِ حَنِیْفَۃَ بِلُغَۃِ الْعِرَاقِ---

''ان کے ابوحنیفہ کنیت کا سبب یہ بتایا گیا ہے کہ لکھنے کے لیے دواۃ ہر وقت ساتھ رکھتے، اور عراقی زبان میں اسے حنیفہ کہتے تھے۔

اس کثرتِ تحریر کی وجہ سے، ابوحنیفہ مشہور ہوئے، پھراس مضمون کے آخر پر یہ تحریر کیا ہے:

وَ لَمْ یُخْلِفْ غَیْرَ وَلَدِہٖ حَمَّادٍ---

''حماد لڑکے کے علاوہ انہوں نے کوئی اولاد اپنے پیچھے نہیں چھوڑی''---

جتنی بھی اسماء الرجال اور تاریخ کی کتابوں میں، امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ آیا ہے، کسی میں بھی حنیفہ بیٹی کا نام ونشان نہیں ہے، لہٰذا جو لوگ ہر جگہ ابو کا معنی باپ کریں گے تو ابوحنیفہ کا معنی دوات کا باپ نہیں کریں گے، بلکہ ابو بمعنی صاحب کرنا پڑے گا۔ یعنی دوات والا، لکھنے پڑھنے کا شوقین۔

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عظمت کے بارے میں

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے لکھا:

اَلنَّاسُ عِيَالٌ فِي الْفِقْهِ عَلٰى أَبِيْ حَنِيْفَةَ---

''لوگ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی فقہ کے سامنے، بچوں کی حیثیت رکھتے ہیں''---

آخر پر ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وَ مَنَاقِبُ الْإِمَامِ أَبِيْ حَنِيْفَةَ كَثِيْرَةٌ جِدًّا، فَرَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَ أَسْكَنَهُ الْفِرْدَوْسَ، آمِيْن---[۳۰]

''امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مناقب (Outstanding Traits) بہت زیادہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو اور انہیں جنت الفردوس میں مقام نصیب کرے۔ آمین''---

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

رَأَيْتُ أَبَا حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ، لَوْ كَلَّمَكَ فِيْ هٰذِهِ السَّارِيَةِ، أَنْ يَّجْعَلَهَا ذَهَبًا، لَقَامَ بِحُجَّتِهٖ---[۳۱]

''اگر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے زورِ استدلال سے، اس لکڑی کے ستون کو، سونے کا ستون ثابت کرنے کی کوشش کرتے تو آپ کو ضرور تسلیم کرنا پڑتا''---

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے بحوالہ قاسم بن معن لکھا:

أَنَّ أَبَا حَنِيْفَةَ قَامَ لَيْلَةً يُرَدِّدُ قَوْلَهٗ تَعَالٰى (بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَ السَّاعَةُ أَدْهٰى وَ أَمَرُّ [سورۃ القمر: 46]، وَ يَبْكِيْ وَ يَتَضَرَّعُ إِلَى الْفَجْرِ---[۳۲]

''بے شک ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ رات بھر نماز میں کھڑے، قرآن کریم کی یہ آیت (بلکہ ان سے نمٹنے کے لیے اصل وعدے کا وقت تو قیامت ہے اور وہ بڑی آفت اور زیادہ تلخ ساعت ہے) بار بار پڑھتے جاتے اور گڑگڑا کر روتے جاتے۔

اسی حالت میں فجر کا وقت ہو گیا''---

ابن العماد الحنبلی نے حماد بن سلیمان کے حوالے سے لکھا:

وَ کَانَ الْاِمَامُ مِنْ اَذْکِیَاءِ بَنِیْ آدَمَ، جَمَعَ الْفِقْهَ، وَ الْعِبَادَةَ، وَ الْوَرَعَ، وَ السَّخَاءَ، وَ کَانَ لَا یَقْبَلُ جَوَائِزَ الدَّوْلَةِ، بَلْ یُنْفِقُ وَ یُؤْثِرُ مِنْ کَسْبِهٖ---[۳۳]

''امام صاحب، اولادِ آدم کے تیز فہم (Brilliant) انسانوں میں سے تھے۔ ایک ہی شخصیت میں دینِ اسلام کا فہم اور عبادت، تقویٰ اور سخاوت جمع ہو گئے تھے۔ حکمرانوں سے مال نہیں لیتے تھے، بلکہ اپنی کمائی سے حق داروں پر خوشی سے خرچ کرتے تھے''---

ابن خلکان نے لکھا ہے:

وَ کَانَ عَالِمًا عَامِلًا زَاهِدًا عَابِدًا وَرِعًا تَقِیًّا کَثِیْرَ الْخُشُوْعِ دَائِمَ التَّضَرُّعِ إِلَی اللّٰهِ تَعَالٰی ---[۳۴]

''وہ عالم باعمل، پرہیزگار و شب زندہ دار، رب سے ڈرنے والے، بچ بچ کر زندگی بسر کرنے والے، ہمیشہ اپنے اللہ کے آگے گریہ و زاری کرنے والے، کثرت سے خوفِ الٰہی دل میں بسائے ہوئے تھے''---

حافظ علاء الدین مغلطائی نے حکم بن ہشام المقفی کے حوالے سے لکھا:

کَانَ أَبُوْ حَنِیْفَةَ مِنْ أَعْظَمِ النَّاسِ أَمَانَةً، أَرَادَ السُّلْطَانُ عَلٰی أَنْ یَّتَوَلّٰی مَفَاتِیْحَ خِزَانَتِهٖ أَوْ یَضْرِبَ ظَهْرَهٗ، فَاخْتَارَ عَذَابَهُمْ عَلٰی عَذَابِ اللّٰهِ تَعَالٰی ---[۳۵]

''امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ان لوگوں میں سے تھے جو عظیم الشان امانت دار ہوں۔ بادشاہِ وقت نے انہیں خزانے کی چابیاں سنبھالنے یا کمر پر کوڑے برداشت کرنے کی پیش کش کی، تو امام اولوالعزم نے حکمرانوں کی سزائیں بھگت لینا گوارا کرلیا، لیکن عذابِ الٰہی کو پسند نہ کیا''---

خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا:

وَ کَانَ أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلَ إِذَا ذُکِرَ ذٰلِكَ، بَکٰی وَ تَرَحَّمَ عَلٰی أَبِیْ حَنِیْفَةَ، وَ ذٰلِكَ بَعْدَ أَنْ ضُرِبَ أَحْمَدُ---[۳۶]

''امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے پاس، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر ظالمانہ سزاؤں کا ذکر چھڑ جاتا، تو وہ رونے لگتے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی پیرانہ مظلومیت پر بہت ترس کھاتے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ خود حکمرانوں سے سزائیں بھگت چکے تھے''---

علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک فصل لکھی:

مِنْ فَضْلِ الْاَئِمَّةِ، ''ائمہ اسلام کی پہچان''، ان کے حقوق و مراتب کا خیال رکھنا چاہیے۔ غلط باتیں ان کی طرف منسوب نہ کی جائیں، ان کا علم و فضل، ان کی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وفاداری ایسی باتوں سے مبرا ہیں۔

فَكَيْفَ يُنْكِرُوْنَ عَلَيْنَا فِي الْاَئِمَّةِ الْاَرْبَعَةِ مَسْلَكًا يَسْلُكُوْنَهٗ هُمْ فِي الْخُلَفَاءِ الْاَرْبَعَةِ وَ سَائِرِ الصَّحَابَةِ؟---

''ہمیں کیوں چاروں اماموں کے بارے میں برا کہا جاتا ہے، جو کہ خلفاءِ راشدین اور سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے راستہ پر چلنے والے تھے''---

یہ افراط و تفریط دو وجہ سے ہو سکتی ہے، ایک وہ لوگ جو:

❶ ...... جَاهِلٌ بِمِقْدَارِ الْاَئِمَّةِ وَ فَضْلِهِمْ---

''ائمہ کرام کی فضیلت و مرتبت جاننے میں جاہل ہیں''---

❷ ...... أَوْ جَاهِلٌ بِحَقِيْقَةِ الشَّرِيْعَةِ الَّتِيْ بَعَثَ اللّٰهُ بِهَا رَسُوْلَهٗ---

''یا وہ لوگ ہیں جو شریعت کی حقیقت سے بے خبر اور جاہل ہیں، جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دے کر بھیجا ہے''---

جو امام رجلِ عظیم ہو، جس کے اقدام صالحہ اسلام کے لیے ہوں، اس کے آثارِ حسنہ دنیا میں نظر آتے ہوں، ان سے اگر کوئی لغزش بھی ہو گئی ہو تو وہ معذور ہیں:

بَلْ مَأْجُوْرٌ لِاجْتِهَادِهٖ---

''بلکہ وہ اپنے اجتہاد کرنے پر بھی اللہ تعالیٰ سے اجر پائیں گے''---

لیکن ان کی لغزش کی پیروی نہ کی جائے۔

وَ لَا يَجُوْزُ أَنْ تُهْدَرَ مَكَانَتُهٗ وَ اِمَامَتُهٗ وَ مَنْزِلَتُهٗ مِنْ قُلُوْب

الْمُسْلِمِیْنَ---[۳۷]

''اور نہ ہی یہ جائز ہے کہ ان کا مرتبہ گرا دیا جائے، ان کی امامت کا انکار کیا جائے اور نہ ہی مسلمانوں کے دلوں سے ان کی محبت و عظمت چھیننے کی کوشش کی جائے''---

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، بنوامیہ اور بنوعباس کی حکومتوں کو غیر اسلامی سمجھتے تھے:

❶......امام حسین رضی اللہ عنہ کے پوتے، زید بن علی بن حسین رضی اللہ عنہ نے، جب صفر 122ھ میں، اموی بادشاہ ہشام بن عبدالملک کے خلاف خروج (بغاوت) کیا، تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے دس ہزار درہم کی مالی مدد کی اور اس جہاد کو یوں فرمایا:

خُرُوْجُهُ يُضَاهِيْ خُرُوْجَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يَوْمَ بَدْرٍ---

''امام زید رحمۃ اللہ علیہ کا نکلنا، ایسے ہی ہے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معرکہ بدر کے دن نکلنا تھا''---

❷...... 145ھ میں، جب حسن رضی اللہ عنہ بن علی رضی اللہ عنہ کے پوتوں، محمد بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ اور ابراہیم بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ نے عباسی بادشاہ منصور کے خلاف خروج کیا، تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس جہاد کو نفلی حج سے پچاس گنا زیادہ اجر و ثواب کا کام قرار دیا اور لوگوں کو اس جہاد میں شرکت کرنے اور ابراہیم (آلِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ساتھ دینے کی ترغیب دلائی۔[۳۸]

❸......حسن بن قحطبہ، منصور عباسی کا سپہ سالارِ اعظم تھا۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا علمی طور پر شاگرد تھا۔ جب منصور نے اپنے سالارِ اعظم کو حضرت ابراہیم بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ (آل رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی سرکوبی کے لیے بھیجنا چاہا، تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے سمجھانے پر، اس نے اپنے بادشاہ کا حکم ماننے سے انکار کر دیا۔[۳۹]

ایذائے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی وجوہات

مشت از خروارے کے طور پر، یہ تین واقعات ہی کافی ہیں کہ بنوامیہ اور بنوعباس کے حکمران، امام صاحب پر کوڑے کیوں برساتے رہے، پابہ زنداں کیوں کرتے رہے؟

ڈاکٹر احمد فرید نے بحوالہ ھیتمی لکھا ہے کہ زہر کا پیالہ جب امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو پینے کے لیے پیش کیا گیا تو فرمایا:

اِنِّیْ لَاَعْلَمُ مَا فِیْهِ، وَلَا أُعِیْنُ عَلٰی قَتْلِ نَفْسِیْ---

''میں خوب جانتا ہوں کہ اس پیالے میں کیا ہے؟ میں خودکشی کرنے میں، اپنی مدد آپ نہیں کروں گا''---

فَطُرِحَ ثُمَّ صُبَّ فِیْ فِیْہِ قَھْرًا فَمَاتَ، رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی ---[۴۰]

''پھر آپ کو زمین پر گرایا گیا اور زبردستی زہر آپ کے منہ میں ڈالا گیا، بالآخر آپ رحمۃ اللہ علیہ کی موت واقع ہوگئی''---

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

اے مسلمانوں کے عظیم امام، اے دینِ اسلام کے رکھوالے! تجھ پہ ہم گناہ گاروں کی طرف سے ہزاروں سلام، تو نے دنیا کے بڑے عہدوں کو حفاظتِ دین کی خاطر لات ماردی۔ حکومتوں کے چندروزہ پیش کردہ، عیش و عشرت قبول نہ کیے۔ تا قیامت کروڑوں اربوں مسلمانوں کی دعاؤں کے تحائف، رب کریم آپ کو جنت الفردوس میں پہنچاتا رہے۔ باغِ بہشت میں آپ کو روزانہ رضوانِ جنت، سلامی پیش کرتا رہے۔ آمین!

حوالہ جات

۳۰...... تہذیب التہذیب، جلد دہم، ص 450

۳۱...... سیر اعلام النبلاء، ص 399

۳۲...... سیر اعلام النبلاء، جلد ششم، ص 401

۳۳...... شذرات الذہب، جلد دوم، ص 230

۳۴...... وفیات الاعیان، جلد سوم، ص 202

۳۵...... اکمال تہذیب الکمال فی اسماء الرجال، جلد ششم، ص 425

۳۶...... تاریخ بغداد، ج 13، ص 327

۳۷...... اعلام الموقعین، جلد سوم، ص 220

۳۸...... مناقب الامام للمکی و الکردری، بحوالہ تفہیم المسائل، جلد سوم، مولانا گوہر رحمٰن، ص 287

۳۹...... مناقب الامام للمکی و الکردری، بحوالہ تفہیم المسائل، جلد سوم، مولانا گوہر رحمٰن، ص 287

۴۰...... من اعلام السلف، جلد اوّل، ص 237

[جاری ہے]

کامیاب استاذ بننے کے بیس رہنما اصول

محمد عبداللہ

بہترین استاذ وہ ہے جو بیک وقت نفسیات، اخلاقیات اور روحانیت میں مہارت رکھتا ہو۔ ان میں سے ہر مہارت کی خصوصیات دوسری مہارت سے گہرا تعلق رکھتی ہیں۔ اس لیے ہم ان تینوں مہارتوں کے لیے کچھ مشترکہ اصول ذکر کریں گے:

① اخلاص

اچھا استاذ اپنے پیشے کے ساتھ مخلص ہوتا ہے، وہ اپنے پیشے کے ساتھ جس قدر بے لوث ہوگا، اس کی دلچسپی اس قدر بڑھتی جائے گی اور اس کی راہ میں حائل رکاوٹیں اتنی ہی کم ہوتی چلی جائیں گی۔ اخلاص وہ جوہر ہے، جس سے عمل میں لذت پیدا ہو جاتی ہے۔

② تقویٰ

علم اور تقویٰ کا باہم گہرا تعلق ہے، اسی وجہ سے قرآن کریم میں خشیت الٰہی کا مدار ''علم'' کو قرار دیا گیا ہے۔ نیز یہ بات ہم پر مخفی نہیں کہ استاذ کے دل میں جتنی خدا خوفی ہوتی ہے، اس کی زبان میں اسی قدر تاثیر ہوتی ہے۔

③ بہترین عملی کردار

شاگرد اپنے استاذ کو بہت باریک بینی سے دیکھتا ہے، یوں استاذ کی چال ڈھال، عادات و اطوار اور اخلاق و کردار لاشعوری طور پر بھی اس میں اترنے لگتے ہیں۔ شاگرد کی دقّتِ نظری کیسی ہوتی ہے، اس ضمن میں ایک واقعہ آپ کے سامنے رکھوں گا۔

ہوا یوں کہ ایک دن میری گھڑی خراب تھی تو میں گھر والوں کی گھڑی پہن کر کلاس میں چلا گیا، دورانِ درس میری پوری کوشش رہی کہ گھڑی کپڑوں میں چھپی رہے، دن گزر گیا،

بات آئی گئی ہوگئی، کچھ مدت کے بعد ایک طالب علم سے گفتگو ہو رہی تھی، وہ درسگاہ میں میری کسی بات کا حوالہ دے رہا تھا، مگر مجھے یاد نہیں آ رہا تھا، میں نے مزید استفسار کیا تو اس نے کہا:

استاذ جی! جس دن آپ لیڈیز گھڑی پہن کر آئے تھے۔

مجھے سخت حیرت ہوئی کہ طلبہ کتنی گہرائی سے استاذ کو پڑھتے ہیں، بلکہ پڑھنے کے بعد اسے یاد رکھتے ہیں اور دوسروں سے اس کا تذکرہ کرتے ہیں۔

④ تلاوت کا معمول

تلاوت کا معمول روزانہ کی بنیاد پر ہونا چاہیے۔ تلاوت کم از کم اتنی اونچی آواز سے کرنی چاہیے کہ اسے خود سن سکے، ان شاء اللہ اس عمل کی تاثیر وہ خود محسوس کرے گا۔

⑤ ذکر اللہ

بہتر ہوگا کہ تلاوت کے علاوہ ذکر الٰہی کے لیے کچھ وقت الگ سے نکالے، قلب کے احیاء کے لیے یہ عمل انتہائی مؤثر ہے۔

⑥ شکر

اچھا مدرس وہ ہوتا ہے جس کی طبیعت میں شکر کا وصف موجود ہو، شکر سے مراد اس کی تینوں قسمیں ہیں: قلبی، لسانی اور عملی۔ قلبی شکر کا مطلب ہے کہ دل میں منعم (محسن) کا احترام اور اس سے محبت ہو۔ جس ادارے سے اس کا روزگار وابستہ ہے وہاں کے منتظمین کا قلبی شکر بے حد ضروری ہے۔ جو مدرس اپنے طلبہ کے سامنے اپنے منعم کی برائیاں بیان کرتا ہے اور اس پر تنقید کرتا ہے، وہ ناکام ترین مدرس ہے۔

شکر لسانی دو طریقوں سے ہوتا ہے، ایک وہ جس کی سورہ الضحٰی میں تعلیم دی گئی ہے کہ اپنے رب کی نعمتوں کو بیان کیجیے، جسے تحدیث بالنعمۃ کہا جاتا ہے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اپنے محسن کا شکر زبان سے بھی ادا کرے، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"میرا شکر ادا کرو اور اپنے والدین کا بھی"---

اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

مَنْ لَمْ یَشْکُرِ النَّاسَ لَمْ یَشْکُرِ اللّٰہَ---

"جس نے لوگوں کا شکریہ ادا نہ کیا اس نے اللہ کا شکر بھی ادا نہیں کیا"---

تشکر سے مراد ہے کہ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو ڈھنگ سے استعمال کرے، جو استاذ

نعمتوں کا درست استعمال نہیں کرتا، وہ ناشکرا اور ناکام مدرس ہے۔

⑦ حیا

استاذ کے لیے حیا ایک ناگزیر وصف ہے۔ حیا کا مطلب ہے اِنْقِبَاضُ النَّفْسِ عَنِ الْقَبِیْحِ یعنی اللہ کی طرف سے ناپسندیدہ قرار دی گئی باتوں اور چیزوں سے اس کا جی تنگ پڑے، ایسی باتوں کی طرف جانا اس کے لیے گرانی کا باعث ہو۔ استاذ میں حیا ہوگی تو آگے بھی یہ وصف ضرور متعدی ہوگا، مگر افسوس ہے کہ موبائل نے ہم اساتذہ کی حیا اگر ختم نہیں کی تو کم ضرور کردی ہے۔

⑧ ذمہ داری کا احساس

یہ بات مشاہدے اور تجربے سے ثابت ہے کہ طلبہ کا غیر ذمہ دارانہ رویے کا ایک باعث استاذ کا غیر ذمہ دارانہ مزاج ہے۔ کامیاب مدرس بننے کے لیے اپنے ذمہ داری کا احساس جگانے کی ضرورت ہے۔

⑨ اچھی صحبت

اچھا استاذ وہ ہوتا ہے جس کا مزاج اچھا ہو، اس کی بیٹھک اچھے لوگوں کے ساتھ ہو، اس کی پہچان اچھی سوسائٹی ہو۔ حدیث کے مطابق اسے عطار کے مانند ہونا چاہیے، جس کے پاس سے گزرنے والا کم از کم معطر ضرور ہوسکے، نہ کہ لوہار کی طرح کہ جس کی صحبت اختیار کرنے والے کو بھٹی کی تپش بھی گوارا کرنا پڑتی ہے۔ برے لوگوں سے خیر خواہی اور اصلاح کا تعلق تو رکھے مگر دوستی کا نہیں۔

⑩ تحمل اور برداشت

تعلیم اور تزکیہ کے میدان میں صبر و تحمل کی اہمیت دو چند ہو جاتی ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ نے بار بار اس کی تلقین فرمائی ہے۔ استاذ میں جس قدر یہ خوبی ہوگی، وہ اتنا ہی کامیاب مدرس ثابت ہوگا۔

⑪ زہد اور بے رغبتی

ایک اچھا استاذ وہ ہوتا ہے جس میں کمال درجے کا زہد ہو، شاگرد کے مال پر اگر استاذ کی رال ٹپک رہی ہو تو شاگرد کی نظر میں ایسا استاذ ٹکے کا نہیں رہتا۔ حدیث میں جو ارشاد ہے:

”دنیا سے بے رغبتی اختیار کرو اللہ تم سے محبت کرے گا اور لوگوں کے مال و متاع

سے نظریں پھیر لو، لوگ تمہارے دیوانے بن جائیں گے‘‘---

⑫ عفو و درگزر اور وسعت قلبی

ہر معمولی بات پر پکڑ کرنے والا کبھی کامیاب مدرس نہیں بن سکتا، استاذ کو اپنے اندر وسعتِ قلبی پیدا کرنی چاہیے، اللہ کی بھی یہی سنت ہے۔

⑬ خدمت خلق کا جذبہ

افسوس ہے اس اہم ترین عبادت کو ہم نے شعبوں میں تقسیم کر دیا ہے، روزمرہ زندگی میں بطورِ عبادت اس اصول کا اطلاق ہمارے ہاں نادر ہے۔ استاذ اگر اپنے طلبہ کے سامنے خدمتِ خلق کا عملی نمونہ پیش کرے گا تو ان کے دل میں عظمت بڑھے گی۔ اس سلسلے میں اپنا ایک واقعہ بیان کروں گا کہ ضعف اور نقاہت کی وجہ سے چونکہ طبیعت مستعد نہیں رہی، ایک مرتبہ میں نے کھانا تناول کرنے کے بعد بچوں سے کہا، بیٹا! دستر خوان اٹھا لو، اتنے میں کیا سنتا ہوں کہ میرا چھوٹا نواسا دروازے سے نکلتے ہوئے کہہ رہا ہے:

’’خود تو بڑے بنے بیٹھے ہیں اور ہمیں کام پر لگایا ہوا ہے‘‘---

ایسے موقعوں پر اگر بچوں کو ڈانٹ دیا جائے تو زیادہ سے زیادہ یہ فرق پڑے گا کہ وہ یہی بات آپ کے سامنے کہنے سے باز رہیں گے مگر ان کے ذہنوں کو آپ صرف اور صرف اپنے کردار سے کھرچ سکتے ہیں۔

⑭ قوت اور امانت

اچھا پیشہ ور وہ ہوتا ہے جس میں قوت اور امانت کا وصف بخوبی موجود ہو۔ قرآن پاک میں حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹیوں کا تبصرہ ذہنوں میں اوجھل نہیں رہنا چاہیے:

’’بہترین اجیر وہ ہے جو قوی بھی ہو، امین بھی‘‘---

استاذ کی قوت اس کا وسعتِ مطالعہ، علمی رسوخ اور اپنے فن یا مضمون پر دسترس ہے۔ نالائق سے نالائق طالب علم بھی اپنے استاذ کی علمی قابلیت کو اچھی طرح بھانپ لیتا ہے۔ استاذ کی ’’امانت‘‘ کا مدار اس بات پر ہے کہ وہ علم کو آگے منتقل کرنے میں کس قدر محتاط اور سخی ہے۔

⑮ رجائیت

اچھا استاد کبھی مایوس نہیں ہوتا، اس کی مثال اس پھل بیچنے والے کی سی ہے جو اپنے گاہک کے سامنے پھل کی ایسی تعریف کرے کہ وہ تھوڑے کے بجائے زیادہ لینے پر مجبور

ہو جائے اور اگر خدانخواستہ وہ اس طرح کے جملے دھرانے لگے کہ جناب بس کیلے کا موسم ہی نہیں رہا، اس کا گاہک بھی آج کل ڈھونڈنے نہیں ملتا، یہ دیکھیے، پڑے پڑے کیلے کالے ہونے لگے ہیں، شکر ہے کوئی تو آیا، یہ سن کر بے وقوف ہی اس سے سودا خریدے گا۔ افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ ہم جس علم کو بیچ رہے ہیں اس کی قدر خود ہمارے دل میں بھی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ استاذ کے ذریعے شاگردوں میں مایوسی منتقل ہو رہی ہے۔

⑯ اخلاقی جرأت

ایک اچھا استاذ اپنے اندر اخلاقی جرأت رکھتا ہے۔ یاد رہے کہ اخلاقی جرأت کا تعلق استاذ سے ہے، آپ کے اندر جتنی بھی بری باتیں ہوں، جب تک ان سے جان نہیں چھڑا لیتے، اخلاقی فقدان رہے گا۔

⑰ قول و فعل میں مطابقت

جس استاذ کے قول و فعل میں تضاد ہو، وہ ایک بدنام اور ناکام مدرس ہے۔

⑱ وضع قطع

استاذ کو چاہیے کہ اپنے باطن کی طرح ظاہر کو بھی اللہ کے رنگ میں رنگ دے۔ شریعت کے مطابق وضع قطع نہ صرف سنتِ نبوی کی اتباع ہے بلکہ اس سے آپ باوقار تشخص کی تعمیر کر سکیں گے۔

⑲ للّٰھیت

دینی خدمات محض تنخواہ کے لیے سرانجام نہ دے، اس سے چاشنی اور لذت جاتی رہتی ہے۔ اپنے کسی قول و فعل کے ذریعے شاگردوں کے سامنے بھی ایسا تاثر دینے سے باز رہے۔

⑳ شاگردوں کے حقوق میں دعاگو

استاذ کو چاہیے کہ اپنے شاگردوں کے لیے ہمیشہ دعا گو رہے۔ یہ عمل اجر اور اخلاص بڑھانے کا بہترین ذریعہ ہے۔

استاذ القراءۃ حضرت پانی پتی فرمایا کرتے تھے:

''اس استاذ کو اپنے شاگرد کو مارنے کا کوئی حق نہیں جو رات کے سناٹے میں اس کے لیے حق تعالیٰ سے گڑگڑا کر دعا نہ مانگے''---

[بشکریہ ماہ نامہ العصر، پشاور]

عرب جمہوریہ مصر کے نئے وزیر اوقاف
ڈاکٹر شیخ اسامہ محمود ازہری

عابد حسین شاہ پیرزادہ

آبادی کے لحاظ سے عرب دنیا کے سب سے بڑے ملک مصر میں 2/جولائی 2024ء کو جونئی حکومت تشکیل دی گئی، اس میں اسلامی دنیا کے نامور عالم ڈاکٹر شیخ اُسامہ ازہری ملک کے وزیر اوقاف قرار پائے۔

شیخ اسامہ بن سید بن محمود ازہری 1396ھ/1976ء میں اسکندریہ شہر میں پیدا ہوئے۔ حافظ، شافعی عالم، خطیب و مدرس، مسند، مؤرخ، محقق اور عالمی مبلغِ اسلام ہیں۔ جامعہ ازہر قاہرہ سے 2011ء میں پی ایچ ڈی کی۔ اساتذہ میں موجودہ شیخ الازہر ڈاکٹر شیخ احمد طیب، ڈاکٹر شیخ حسن محمود شافعی، سابق مفتیٔ اعظم مصر ڈاکٹر شیخ علی جمعہ شاذلی، شیخ سید محمد ابراہیم بن عبدالباعث کتانی (وفات 1445ھ/2024ء) اور ڈاکٹر شیخ محمد سعید رمضان بوطی شہید دمشقی (وفات 1434ھ/2013ء) وغیرہ اکابر علماء کے نام ہیں۔ نیز علم روایت و اسانید سے گہرے شغف ولگاؤ کے باعث اسلامی دنیا کے سیکڑوں علماء سے اجازت پائی۔

جامعہ ازہر نیز اسیوط اور زقازیق میں پروفیسر رہے اور مسجد سلطان حسن قاہرہ میں اپنے استاذ مفتیٔ اعظم ڈاکٹر شیخ علی جمعہ کی نیابت میں 2005ء تا 2009ء خطیب و مدرس، پھر مسجد الفتاح اور 2014ء سے مسجد مشیر طنطاوی میں یہی خدمات ہیں۔ 2/اکتوبر 2014ء کو صدرِ مصر کے مشیر مذہبی امور تعینات ہوئے، تا آنکہ اب وزیر اوقاف کا منصب سونپا گیا۔ ہندوستان سمیت متعدد ممالک کے دورے کیے۔ متعدد تصانیف میں سے چند کے نام یہ ہیں:

- المدخل الی اصول التفسیر، مطبوعہ قاہرہ 2010ء، صفحات 108
- مشکاۃ الاصولیین والفقھاء، مطبوعہ 2013ء، دار الفقیہ ابوظبی، صفحات 288
- الحدیث و المحدثون فی الازھر الشریف، مطبوعہ 2014ء، قاہرہ، صفحات 47
- اسانید المصریین، مطبوعہ 1432ھ/2011ء، دار الفقیہ ابوظبی، صفحات 912

- معجم الشیوخ، مطبوعہ 1429ھ/ 2008ء، ملائیشیا، صفحات 112
- الفهم المنیر للآیات التی اخطاء فی فهمها اهل التطرف والتکفیر، مطبوعہ 1436ھ/ 2015ء، دار الفقیه ابوظبی، صفحات 136

یہ قرآن مجید کی ان تیرہ آیات کی توضیح وتفسیر ہے، جن کے غلط مفہوم وتعبیر کی بنا پر اسلامی دنیا میں ایک گروہ انتہا پسندی کا علم بردار وشکار رہا۔

- الحق المبین فی الرد علی من تلاعب بالدین، دوسری اشاعت 1436ھ/ 2015ء، دار الفقیه ابوظبی، صفحات 208

سید قطب مصری سے تنظیم داعش تک کے شدت پسند افکار ومنہج کا تعاقب، نیز جہاد کے شرعی اصول وضوابط کے بیان پر ہے۔ دنیا کی چودہ سے زائد زبانوں میں تراجم ہوئے۔

- جمهرة اعلام الازهر الشریف فی القرنین الرابع عشر و الخامس عشر الهجریین، مطبوعہ 1440ھ/ 2019ء، اسکندریہ

چودہویں و پندرہویں صدی ہجری میں عالم اسلام کی مؤقر جامعہ الازہر قاہرہ سے تعلیم پانے والے دنیا بھر کے علماء کے حالات پر مبنی یہ عظیم کتاب دس جلد کے تین ہزار چار سو سے زائد صفحات پر مشتمل ہے۔

- نیز دیگر کی جن کتب پر تحقیق وتخریج انجام دی، ان میں ڈاکٹر مفتی علی جمعہ کی النبراس فی تفسیر القرآن الکریم، مطبوعہ 2009ء، قاہرہ، صفحات 408 شامل ہے۔

ڈاکٹر شیخ اسامہ محمود ازہری کے احوال ''اسانید المصریین''، صفحہ 343 تا 355 پر درج ہیں اور اسلامیانِ پاک و ہند سے ان کے تعلق وروابط کے کچھ مظاہر حسبِ ذیل ہیں:

- مسندِ پاکستان مولانا محمد عبد الحکیم شرف قادری اور ڈاکٹر اسامہ ازہری نے اپنے سلاسلِ روایت کا تدبج ومعادلہ کیا اور ایک دوسرے کو روایت کی اجازت دی۔ نیز ڈاکٹر اسامہ نے 27/ذوالحجہ 1424ھ اور 9/محرم 1425ھ کو قاہرہ میں ملاقات کے دوران مولانا شرف قادری سے سماعت کی۔

[اسانید المصریین، ص 352 تا 353 / معجم الشیوخ، ص 83 تا 86]

نیز مولانا نے الجواهر الغالیة من الاسانید العالیة، مطبوعہ 1416ھ/ 2005ء، لاہور، صفحہ 10، 26 پر بیان کیا ہے۔

- مسندِ لاہور مولانا علی احمد سندیلوی کے ساتھ بھی تدبج وتبادلۂ اجازات ہوا [اسانید المصریین، ص 352 / معجم الشیوخ، ص 62] نیز علامہ حافظ رضاء الحسن کی

مرتب کردہ کتاب ’’ارمغان شیخ علی احمد سندیلوی‘‘، مطبوعہ 1445ھ/ 2023ء دارالاسلام، لاہور، صفحہ 167 تا 168 پر مذکور ہے۔

- شیخ اسامہ محمود ازہری نے مولانا عبدالحکیم شرف قادری کے توسط سے پاکستان کے جن مزید علماء سے اسلامی علوم میں روایت کی اجازت پائی، ان میں سے مولانا محمد اشرف سیالوی، مولانا قاری محمد عرفان، مولانا محمد اشرف قادری اور ان کے بھائی مولانا پیر محمد افضل قادری، مولانا محمد عبدالحق بندیالوی، مولانا سید حسین الدین شاہ اور محدث و مسند مولانا محمد محبّ اللہ نوری کے نام معجم الشیوخ، صفحہ 85 تا 86 پر ذکر کیے۔
- ربیع الاوّل 1445ھ/ اکتوبر 2023ء میں ڈاکٹر شیخ اسامہ ازہری ہندوستان کے صوبہ کیرالہ کے شہر کالی کٹ میں واقع عظیم الشان تعلیمی ادارے مرکز الثقافة السنية الاسلامية تشریف لائے اور میلاد النبی ﷺ کانفرنس میں خطاب کیا۔ اور اب وزیر اوقاف کا منصب سنبھالنے پر اس ادارے کے سربراہ مفتیٔ اعظم مولانا ابوبکر احمد قادری شافعی کی طرف سے تہنیت و مبارک باد کا پیغام الیکٹرونک نیٹ ورک میں راقم سطور کے پیشِ نظر ہے۔
- جامعہ ازہر قاہرہ میں تعلیم پانے والے دہلی ہندوستان کے مولانا شاہ ابوالحسن زید فاروقی مجددی اور بھیرہ پاکستان کے مولانا پیر محمد کرم شاہ چشتی کے احوال ڈاکٹر شیخ اسامہ ازہری نے جمهرة اعلام الازهر الشريف میں قلم بند کیے، جو بالترتیب آٹھویں جلد کے صفحہ 8 تا 10، 87 تا 89 پر درج ہیں۔
- 25/ اگست 2016ء کو چیچنیا کے دار الحکومت گروزنی میں منعقدہ بین الاقوامی اہلِ سنت و جماعت کانفرنس میں ڈاکٹر شیخ اُسامہ محمود ازہری نے مقالہ پیش کیا، جس کا الٰہ آباد ہندوستان کے محقق مولانا مفتی شاہد رضا نجمی نے اردو ترجمہ کیا اور یہ ’’محدثین کی سنیت اور صوفیت، ایک تحقیقی مطالعہ‘‘ عنوان سے خانقاہ عارفیہ الٰہ آباد کے ترجمان مجلّہ ’’الاحسان‘‘ شمارہ سات بابت جنوری 2017ء کے صفحہ 34 تا 68 پر چھپا۔ نیز ماہ نامہ ’’سنی دعوتِ اسلامی‘‘ بمبئی نے اسی برس چار اقساط میں شائع کیا۔ بعد ازاں مترجم نے کتابی شکل دی اور مولانا ابوسعد حسن صفوی الٰہ آبادی نے تقریظ، نیز مولانا ضیاء الرحمٰن علیمی الٰہ آبادی نے مقدمہ قلم بند کیا اور ’’محدثین کا مسلک و مشرب، ایک تحقیقی مطالعہ‘‘ نام سے 2019ء میں لاہور سے 115 صفحات پر اشاعت ہوئی۔

❀❀❀❀❀

نقشہ اوقاتِ نماز برائے بصیر پور شریف و مضافات --- ماہ اگست

تاریخ	صبح صادق، ابتدائے فجر وختم سحری	طلوعِ آفتاب، انتہائے فجر	ضحوۃ کبریٰ	ابتداء وقتِ ظہر	اخیر مثلِ اوّل	اخیر مثلِ دوم آغاز وقتِ عصر	غروبِ آفتاب (افطار) وقتِ مغرب	ابتداء وقتِ عشاء
-	سیکنڈ منٹ گھنٹا	سیکنڈ منٹ گھنٹا	سیکنڈ منٹ گھنٹا	سیکنڈ منٹ گھنٹا	سیکنڈ منٹ گھنٹا	سیکنڈ منٹ گھنٹا	سیکنڈ منٹ گھنٹا	سیکنڈ منٹ گھنٹا
1	3:51:07	5:21:30	11:25:15	12:11:03	3:49:44	5:00:12	7:01:08	8:28:59
2	3:52:01	5:22:07	11:25:20	12:10:59	3:49:39	4:59:49	7:00:23	8:27:57
3	3:52:54	5:22:44	11:25:23	12:10:54	3:49:34	4:59:25	6:59:37	8:26:53
4	3:53:48	5:23:21	11:25:26	12:10:49	3:49:28	4:59:00	6:58:50	8:25:48
5	3:54:41	5:23:59	11:25:29	12:10:43	3:49:21	4:58:34	6:58:01	8:24:43
6	3:55:35	5:24:36	11:25:31	12:10:37	3:49:13	4:58:07	6:57:11	8:23:36
7	3:56:28	5:25:13	11:25:32	12:10:30	3:49:04	4:57:39	6:56:20	8:22:28
8	3:57:21	5:25:50	11:25:32	12:10:23	3:48:54	4:57:09	6:55:28	8:21:19
9	3:58:14	5:26:27	11:25:32	12:10:15	3:48:43	4:56:39	6:54:35	8:20:09
10	3:59:07	5:27:04	11:25:31	12:10:06	3:48:31	4:56:08	6:53:41	8:18:58
11	4:00:00	5:27:40	11:25:30	12:09:57	3:48:18	4:55:35	6:52:45	8:17:46
12	4:00:52	5:28:17	11:25:28	12:09:47	3:48:04	4:55:02	6:51:49	8:16:33
13	4:01:44	5:28:53	11:25:25	12:09:36	3:47:49	4:54:27	6:50:51	8:15:19
14	4:02:36	5:29:30	11:25:22	12:09:25	3:47:34	4:53:52	6:49:53	8:14:05
15	4:03:27	5:30:06	11:25:18	12:09:14	3:47:17	4:53:15	6:48:54	8:12:50
16	4:04:19	5:30:42	11:25:13	12:09:02	3:46:59	4:52:38	6:47:53	8:11:34
17	4:05:09	5:31:18	11:25:08	12:08:49	3:46:41	4:51:59	6:46:52	8:10:17
18	4:06:00	5:31:54	11:25:02	12:08:37	3:46:21	4:51:20	6:45:50	8:09:00
19	4:06:50	5:32:30	11:24:56	12:08:23	3:46:01	4:50:40	6:44:47	8:07:42
20	4:07:40	5:33:05	11:24:49	12:08:09	3:45:39	4:49:58	6:43:43	8:06:24
21	4:08:30	5:33:41	11:24:42	12:07:55	3:45:17	4:49:16	6:42:39	8:05:05
22	4:09:19	5:34:16	11:24:34	12:07:40	3:44:53	4:48:33	6:41:33	8:03:45
23	4:10:08	5:34:51	11:24:25	12:07:24	3:44:29	4:47:49	6:40:27	8:02:25
24	4:10:56	5:35:26	11:24:16	12:07:09	3:44:03	4:47:04	6:39:20	8:01:05
25	4:11:44	5:36:01	11:24:06	12:06:52	3:43:37	4:46:18	6:38:13	7:59:44
26	4:12:32	5:36:36	11:23:56	12:06:36	3:43:10	4:45:31	6:37:05	7:58:23
27	4:13:20	5:37:11	11:23:45	12:06:19	3:42:42	4:44:44	6:35:56	7:57:01
28	4:14:07	5:37:46	11:23:34	12:06:01	3:42:13	4:43:55	6:34:46	7:55:39
29	4:14:53	5:38:20	11:23:22	12:05:43	3:41:43	4:43:06	6:33:36	7:54:17
30	4:15:39	5:38:55	11:23:10	12:05:25	3:41:12	4:42:16	6:32:26	7:52:55
31	4:16:25	5:39:29	11:22:57	12:05:06	3:40:40	4:41:26	6:31:15	7:51:32

● ...... **گھڑیاں درست رکھیں**

Book No. 36 Serial No. 8
Aug-2024
Monthly "NOOR-UL-HABIB" Basirpur
Regd No. PS / CPL - 25
ISSN 1993-4238

جنوبی سمت طلباء کے لیے درس گاہوں اور رہائشی کمروں کی تعمیر نو کا کام جاری ہے

دینی درد اور علوم اسلامیہ سے محبت رکھنے والے احباب کو
اس کارِ خیر میں حصہ ڈالنے کی دعوت دی جاتی ہے
آپ کے صدقات، زکوٰۃ، خیرات، غلہ جات، دیگر عطیات

آپ کے لیے صدقۂ جاریہ اور دنیا و آخرت
کی بھلائی کا ذریعہ بنیں گے۔ ان شاء المولیٰ تعالیٰ

نوٹ: عطیات کی رقم براہ راست بھجوائیں

(صاحبزادہ) محمد محب اللہ نوری
مہتمم دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیرپور شریف ضلع اوکاڑا
موبائل نمبر: 0300-4321088, 0345-7526622, 0306-5696666